لہ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دارالعلوم ۔ ۴ | فون نمبر دھالشی ۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۸ | مارچ ۔ ۱۹۷۳ء

شمارہ نمبر : ۶ | صفر ۔ ۱۳۹۳ھ

مدیر

سمیع الحق

اس شمارے میں

ناشر : سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ ۔۔۔۔ مقام اشاعت : دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

طابع : منظور عام پریس پشاور ۔۔۔۔ پرنٹر محمد شریف ۔۔۔۔ کتابت : اصغر حسن

مغربی و مشرقی پاکستان سے سالانہ ۸/ روپے ۔ فی پرچہ ۷۵ پیسہ ۔ غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ ہوائی ڈاک دو پونڈ

نقش آغاز

قومی اسمبلی

مسودہ دستور پر
شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ
کی تقریر

۲۷ر فروری ۷۳ء کی شام کو قومی اسمبلی میں مسودہ دستور پر عام بحث کے دوران شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ نے جو تقریر ارشاد فرمائی اسے ہم اسمبلی سیکرٹریٹ کی رپورٹنگ کی مدد سے یہاں پیش کر رہے ہیں۔

★

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

جناب سپیکر صاحب! مجوزہ دستور کا جو مسودہ ہے اس کے متعلق مختصراً کچھ عرض کرنے سے پہلے اتنی گذارش ہے کہ کسی ملک کا آئین اس ملک کی موت وحیات کا مسئلہ ہوتا ہے۔ آئین کے ذریعہ افراد کے حقوق، رعایا کے حقوق باشندگان ملک کے مفادات اور حکومت کی بالادستی وغیرہ تمام امور کا تعین ہو جاتا ہے۔ تو دستور نہ کسی فرد کا مسئلہ ہے نہ کسی جماعت کا نہ کسی خاص شہر یا مخصوص دیہات کا مسئلہ ہے نہ کسی ایک صوبے کا بلکہ یہ کل قوم اور ملک کا مسئلہ ہے۔ تمام پاکستانی قوم کا مسئلہ ہے۔ اس لئے گذارش یہ ہے کہ اس مسئلہ پر نہایت تحمل اور تدبر سے غور کیا جائے۔ اس کے لئے مناسب فضا قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ اور ایوان و ملک میں روایتی کشیدگی نہ ہونی چاہئے۔ آپس کی مفاہمت اور محبت کی صورت میں پورے دستور کی دفعات پر غور ہو سکتا ہے۔

> دستور کا مسئلہ ہر ذاتی اور سیاسی مفاد سے بالاتر ہے۔

میرے محترم بھائی حقانی صاحب (جناب عبدالحمید حقانی نے اس سے قبل تقریر کی تھی) نے بہت ہی اچھے الفاظ میں بعض چیزوں کی نشاندہی کی ہے کہ اس وقت جو فضا پیدا کی گئی ہے، کوشش یہ ہونی چاہئے کہ جو ناموافق فضا ہے یہ بدل جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آئین کی ہر دفعہ پر نہایت ٹھنڈے

دل سے غور کیا جا سکے گا۔ یہ تو تمہیدی طور پہ گذارش تھی جو میں نے پیش کی۔

پاکستان سوشلزم کیلئے تو نہیں بنا | دستور کے متعلق یہاں یہ کہا گیا ہے کہ ہمارا دستور سوشلزم کے اصولوں پر ہوگا۔ (ایک معزز رکن سے نوک جھونک کے دوران بعض اراکین نے کچھ اس قسم کے الفاظ کہے تھے) ـــــ اس لئے کہ ہمارے منشور میں یہ چیز واضح طور پر موجود ہے، تو میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ سوشلزم تو نعرہ ہے پیپلز پارٹی کا۔ اور دستور کسی ایک پارٹی کے لئے نہیں بن رہا ہے بلکہ یہ پورے پاکستان کے لئے بن رہا ہے۔ جس کے باشندے یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور دوسری طرف آپ سوشلزم کی بنیاد رکھ رہے ہیں تاکہ رفتہ رفتہ یہ ملک پورے طور پہ اشتراکی بن جائے ان سے میں پوچھتا ہوں کہ یہ آئین پورے پاکستان کے لئے بن رہا ہے اسے ہم پاکستانی قوم کے لئے بنا رہے ہیں یا کسی پارٹی کے لئے۔

یہ آئین نہ میری جماعت (جمعیۃ العلماء اسلام) کا ہے نہ پیپلز پارٹی کا، نہ نیشنل عوامی پارٹی یا مسلم لیگ کا ہے بلکہ پوری مسلمان قوم کے لئے ہے۔ اس کے بعد یہ کہنا کہ چونکہ ہماری پارٹی کا منشور یہی سوشلزم ہے۔ اس لئے ہم اپنے منشور کے مطابق آئین بنائیں گے تو میری رائے میں یہ بڑی زیادتی ہو گی۔

قیام پاکستان کی بنیاد اسلام | میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس وقت کہ برصغیر کی تقسیم ہو رہی تھی اس وقت میں ہندوستان میں تھا۔ یوپی کے مسلمان بہار کے مسلمان سی پی کے مسلمان ان سب مقامات کے مسلمانوں سے میری ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ اور قائداعظم بھی وہاں تشریف لاتے تھے ان مسلمانوں سے جب دریافت کیا جاتا کہ تم تو اقلیتی صوبوں کے مسلمان ہو تمہارے لئے پاکستان بننے میں کیا فائدہ ہوگا تم تو ذلیل ہو جاؤ گے۔ تو مجھے خوب یاد ہے کہ وہ جو چھ سات کروڑ مسلمان موجود ہیں۔ انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اکثریت کے صوبوں میں پاکستان کی شکل میں اسلام کا معیار بلند ہو، جہاں اسلامی معاشرہ ہو، اسلامی تمدن ہو، جہاں اسلامی معیشت ہو۔ اگر یہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں جیسا کہ قائداعظم کہتے ہیں تو ہماری یہ جانی اور مالی قربانیاں یہ سب کچھ اسلام کے قیام و بقاء کی خاطر کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہیں۔ اور جب اس قربانی کے صلہ میں وہاں پر اسلامی نظام قائم ہو جائے تو ہمیں قیمت وصول ہو جائے گی۔

مجھے یہ بات خوب یاد ہے کہ قائداعظم سے جب یہ پوچھا گیا کہ آپ جو پاکستان بنا رہے ہیں وہ علاقہ تو مسلمانوں کی اکثریت کا ہے۔ لہٰذا یہ اقلیت والے علاقے کے مسلمان کیا کریں گے تو

ایک دفعہ ان کی زبان سے یہ نکلا کہ میں ان کا جنازہ اسلام کے لئے پڑھ چکا ہوں۔ حقیقت یہ ہے اور سچی بات یہ ہے کہ ہم ان کا جنازہ پڑھ چکے ہیں اور ہم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس کے بدلے ہم کو اسلامی نظام مل جائے گا۔ لیکن یہ بڑی افسوس کی بات ہے کہ آج ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ ہمارے دستور میں سوشلزم ہو۔ کیا پاکستان سوشلزم کے لئے بنا تھا۔؟ اگر پاکستان سوشلزم کے لئے بنا تھا۔ تو پھر ہزاروں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں کو غلام بنانے کی کیا ضرورت تھی اور ہزاروں آدمی جو قتل اور شہید ہوئے اور عورتوں کی عصمتیں غیر محفوظ ہوئیں۔ پھر اس کی کیا ضرورت تھی، کیا یہ سب کچھ سوشلزم کے لئے ہوا تھا۔ یہ مقصد تو متحدہ ہندوستان میں بھی حاصل ہو سکتا تھا۔

اسلام سرکاری مذہب کی دفعہ اور اسکے تقاضے ہمارے اس دستور میں ایک دل خوش کن بات یہ ہے کہ اسلام پاکستان کا سرکاری مذہب ہوگا۔ میرے ایک بھائی (چوہدری ظہور الٰہی صاحب) نے آج کے اجلاس میں ایک جملہ کہا تھا کہ اس دفعہ کی کیا ضرورت تھی اور اس کا کیا فائدہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب ہم یہ تسلیم کرلیں اور تجویز کریں کہ یہاں کا مذہب سرکاری سطح پر اسلام ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب اسے کل کا کل اسلام نافذ کرنا ہوگا۔ مذہب کا معنی ہے طریقہ، راستہ، کسی طریقہ پر چلنا تو حکومت کس طریقہ پر چلے گی۔؟ اسلام کے طریقے پر چلے گی یا کسی اور طریقے پر۔ یعنی ہمارے چلنے کا ہماری زندگی کا ہمارے طرزِ حکومت کا ہماری پالیسی کا جو راستہ ہوگا وہ کیا ہوگا۔؟ آیا وہ اسلامی ہوگا یا غیر اسلامی تو اب اس دفعہ کے شامل ہونے کی وجہ سے بڑا فائدہ ہوگا کہ اب یہ سب کچھ اسلام کے مطابق ہوگا اس عنوان کا یہی تقاضا ہوگا کہ ہمارے چلنے کا راستہ اسلام کے مطابق ہوگا اور دیکھئے جن جن ملکوں میں ان کے اپنے نظریات کے مطابق حکومتیں ہیں جیسے روس میں اشتراکیت کا نظام ہے۔ اور وہ سرکاری سطح پر ہے تو وہاں تمام ملک میں کوئی شخص ایسی تقریر نہیں کر سکتا جو اشتراکیت کے خلاف ہو وہاں بکوئی سرمایہ دارانہ نظام کی بات نہیں کی جاسکتی۔ سرمایہ داری کی تبلیغ نہیں ہو سکتی۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہاں اشتراکیت حکومتی سطح پر ہے۔ تو یہ ایک بڑی اچھی بات ہے۔ اور بڑی اچھی تجویز ہے۔ کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔ تو میں یہ عرض کروں گا کہ یہ عنوان ہے تو بڑا خوش آئند لیکن اس عنوان پر اکتفا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ہمیں ٹھنڈے دل سے غور کرنا ہوگا اور فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہمارے ملک میں لادینی نظام ہوگا یا اسلام کا نظام ہے۔؟ ظاہر بات ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں اور ہم میں سے کوئی شخص لادینی نظام کو نہیں چاہتا ہم جب دینی نظام چاہتے ہیں جس کا عنوان یہ ہے۔ کہ سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔ تو اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ہمارے ملک میں اگر کوئی تبلیغ اگر کوئی

تقریر یا تحریر سرکاری مذہب کے خلاف ہوگی تو وہ شخص باغی شمار کیا جائے گا۔ تو مجھے اس اچھی بات پر یہ کہنا ہے کہ آیا صرف نام کا ہمارا سرکاری مذہب اسلام ہوگا صرف کافی ہوگا نہیں بلکہ عملاً بھی۔ تو بتائیں اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوگا۔

اسلامی کونسل کی حقیقت | اسلام کے تقاضے کیا ہیں۔؟ ان پر بھی غور کرنا ہے۔ صرف اسلامی نام رکھ دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اسکی صورت یہ ہے۔ کہ آئین کی دفعہ ۲۲۷ سے چور دروازوں کے ذریعہ اسلام کے خلاف قوانین بننے کے راستے بند کئے جائیں، دفعہ ۲۲۷ میں ہے اس ملک میں کوئی قانون اسلام اور قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنے گا۔ کیا اس کے مجوزہ طریق کار کے مطابق یہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔؟ اس کے لئے اگلی دفعات کو موثر بنانا ہوگا۔ اسے اسطرح منضبط کرنا ہوگا کہ فرار کے راستے بند ہوسکیں چور دروازوں کی گنجائش نہ رہے۔ مجھے ان دفعات کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں کوئی قانون کتاب وسنت کے خلاف نہیں ہوگا۔ تو اگر کسی صوبائی یا مرکزی ایوان میں ایسا کوئی قانون بن جائے جو قرآن وسنت کے خلاف ہے تو کیا عوام کو اس ملک کے باشندوں کو یہ حق ہوگا کہ اسے عدالت میں چیلنج کرسکیں اور وہاں یہ کہا جاسکے کہ فلاں دفعہ قرآن وسنت خلاف بنا ہے۔ تو اس آئین کی رو سے اسے کالعدم قرار دیا جائے یہ ضمانت دی جائے کہ کوئی قانون اگر خلاف قرآن وسنت اس ملک میں بنا، تو اس کی چارہ جوئی کے لئے ہم عدالت تک جاسکیں اور اسے ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں کالعدم قرار دیا جاسکے لیکن موجودہ آئین میں یہ تحفظ نہیں دیا گیا ہے۔ زیادہ حصہ ہیرا پھیری کا ہے۔ اس میں یہ تو کہا گیا ہے کہ اگر کوئی قانون اسمبلی میں پیش ہو تو اس کے لئے ہم ایک اسلامی کونسل بنائیں گے اگر متنازعہ قانون ہو تو ہم اسلامی نظریات کے اس کونسل کے پاس اس قانون کو بھیجیں گے تو اسلامی کونسل کے سلسلہ میں چند باتیں ضروری ہیں۔

ایک تو یہ کہ جو اسلامی کونسل اس مسودہ میں تجویز کیا گیا ہے۔ اس کے افراد زیادہ سے زیادہ ۱۵ ہوسکتے ہیں، جن میں دو جج ہوں گے چار علماء دین ہوں گے۔ اب یہ اسلامی کونسل جو ان قوانین کا فیصلہ کرے گی۔ اور وہ یہ کہ آیا یہ اسلامی قوانین ہیں یا نہیں تو ظاہر بات ہے کہ اس کے اسلامی ہونے نہ ہونے کا فیصلہ تو وہ کرسکتا ہے جو اسلام کا ماہر ہو۔ لیکن جیسا کہ اس میں کہا گیا ہے۔ کہ اس کونسل میں ۱۵ ارکان ہوں گے۔ جن میں سے دو ہائی کورٹ کے جج ہوں گے جو انگریزی قوانین کے ماہر ہوں گے۔ اور چار علماء ہوں گے اور باقی کے متعلق کچھ نہیں ذکر کہ وہ کون ہوں گے۔ تو دیکھنے کی بات یہ ہے کہ

اکثریت کس کی ہوگی۔

عبدالحفیظ پیرزادہ :۔ مولانا چار نہیں، کم از کم چار علماء ارکان لکھا ہے۔

مولانا عبدالحق صاحب :۔ بہر تقدیر اسکی حد متعین ہونی چاہئے کہ کونسل کی اکثریت علماء ارکان کی ہوگی۔ چونکہ ہم مسلمان ہیں۔ اور ہم دل سے ارادہ کئے ہوئے ہیں کہ اس ملک میں اسلامی قانون رائج کیا جائے تو کم سے کم یہ تو کیا جائے جیسے اگر اسمبلی کو کوئی فنی مسئلہ پیش ہوتا ہے تو اس کے لئے فنی ماہرین سے رجوع کیا جاتا ہے کہ تمہاری اس بارہ میں کیا رائے ہے۔ اسی طرح یہاں بھی کونسل کے ممبران کی اکثریت ماہرین دین یعنی علماء کی ہونی چاہئے۔ اگر یہ چیز اس میں رکھ دی جائے۔

ڈپٹی اسپیکر :۔ علماء کم از کم چار ہیں۔ (زیادہ کی بھی گنجائش ہے۔)

مولانا عبدالحق :۔ باقی کی تعداد معلوم ہونا چاہیئے جو کونسل کے اندر اس کی مخالفت نہ کریں۔ ممکن ہے کہ اگر اور ارکان اسکی مخالفت کریں غلط فیصلہ کریں تو اکثریت کی بنیاد پر وہ علماء کی رائے کو مسترد کردیں گے۔

پھر آئین میں یہ ہے کہ گورنر صدر یا اسمبلی یہ کہے کہ فلاں قانون اسلامی کونسل کے پاس مشورہ کیلئے بھیجا جائے تو اسے بھیجا جائے گا۔ لیکن اگر فرض کیجئے کہ صدر یا گورنر یا اسمبلی نے اسے ضروری نہ سمجھا تو وہ کونسل کے پاس نہیں جائے گا۔ اور اس پر اسمبلی ہی میں فیصلہ ہوگا۔ اور قانون وضع کرلیا جائے گا۔ اور اگر اسمبلی کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تو فیصلہ اسمبلی کی اکثریت پر ہوگا، اور اسمبلی کی اکثریت اگر یہ کہے کہ ہم اسے اسلامی کونسل میں نہیں بھیجنا چاہتے تو اقلیت میں جو لوگ ہیں، وہ کچھ نہیں کرسکیں گے ایسی صورت میں۔۔۔۔۔۔

ڈاکٹر مبشر حسن :۔ جناب اسلامی کونسل کے پاس ایوان بھی بھیج سکتا ہے۔ گورنر بھی اور صدر بھی بھیج سکتا ہے۔

مولانا عبدالحق صاحب :۔ تو بہر حال ایوان کے بھیجنے کی صورت میں تو اکثریت کے اعتبار سے ہوگا۔ اور اگر اکثریت نہ بھیجنا چاہے تو معاملہ یہیں رہے گا۔ اور ممکن ہے ایوان خلاف دین فیصلہ کرے۔ دوسری بات یہ ہے کہ فرض کیجئے کہ گورنر صاحب نے صدر صاحب نے یا اسمبلی نے اسلامی کونسل کے پاس مشورہ کے لئے کوئی قانون بھیج کر معلوم کرنا چاہا کہ یہ خلاف قرآن و سنت ہے یا نہیں ہے۔؟ تو وہاں تو بھیج دیا گیا مگر یہاں مسودہ میں ہے کہ اگر اسمبلی یا حکومت سمجھتی ہے۔ مفاد عامہ کی خاطر۔ تو جواب آنے سے قبل ایوان میں قانون وضع کرلیا جائے گا۔ تو گویا کونسل کے مشورے کے

آنے کا انتظار نہیں ہوگا۔ اور "مفادِ عامہ" کے نام سے اسے نافذ کر دیا جائے گا قانون بنا لیا جائے گا ــــ تو اس طرح پھر قرآن و سنت کے خلاف قانون وضع کرنے کا راستہ نکل آیا۔ خرابی یہ ہے کہ اگر اسلامی کونسل اسمبلی، صدر یا گورنر کے پاس اپنی رائے بھیج دیتی ہے اور کہہ دیتی ہے کہ یہ خلافِ شریعت ہے تو مسودہ آئین میں یہ ہے کہ اسمبلی اس کے متعلق پھر غور کرے گی یعنی یہ نہیں کیا گیا کہ جب مشورہ مل گیا ہے کہ ایسا قانون خلاف قرآن و سنت ہے تو اسمبلی کا از سرِ نو غور اس کے تابع و موافق ہونا چاہیئے، یہ نہیں، بلکہ ایوان اس پر نئے سرے سے غور کرے تو غور تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اس مشورہ کو نہیں مانتے۔ اسمبلی کونسل کے مشورہ کا پابند نہیں ہے، یہ صورت غلط ہے بلکہ اس دفعہ کو واضح کر دینا چاہیئے کہ اسمبلی اس مشورہ کے مخالف فیصلہ نہ کر سکے گی۔

اب یہاں یہ اعتراض کیا جا رہا ہے کہ کیا ہم اسمبلی کے ارکان کو اسلامی کونسل کے تابع بنا دیں اور اسمبلی پر اسے بالادستی کیوں کر دی جا سکتی ہے۔؟

ــــ تو دو باتیں اس کے جواب میں کہی جا سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بنیادی حقوق کے بارہ میں ہر شخص کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ عدالت کی طرف رجوع کرے اور اگر کوئی جج کہہ دے کہ اسمبلی کا کوئی ایسا قانون بنیادی حقوق کے خلاف ہے تو وہ قانون اسمبلی کا کالعدم ہو جاتا ہے۔ تو ایک جج جو سرکاری ملازم ہے اور ایک فرد ہے۔ اور اس کی رائے میں اگر بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو اسمبلی کا فیصلہ کالعدم کر سکتا ہے، تو اسلامی کونسل کے ایسے مشورہ سے کالعدم کیوں نہیں ہو سکتا؟ (وہاں بالادستی کا سوال کیوں نہیں اٹھایا جاتا۔)

دوسری بات یہ ہے کہ اسلامی کونسل تو قانون کی واضع نہیں ــــ اس میں تو قرآن و حدیث کے ماہر ہوں گے وہ تو صرف یہ بتائیں گے کہ یہ بات قرآن و حدیث کے مخالف ہے، یا نہیں تو کونسل کے ارکان وضع کرنے والے نہیں صرف ظاہر کرنے والے ہیں۔ کہ فلاں قانون قرآن و سنت کے مصداق ہے یا مخالف۔ آج ہم امام ابو حنیفہ کا حکم مانتے ہیں تو امام ابو حنیفہ کی تقلید کا مطلب یہ ہے کہ ہم انہیں مظہر (ظاہر کرنے والا) کہتے ہیں نہ کہ واضع (بنانے والا) جیسا کہ یہاں ہمارے ایک دوست میاں محمود علی قصوری کسی قانون کی تشریح کریں تو ہم انہیں واضع نہیں سمجھتے بلکہ صرف مطلب کا واضح کرنے والے ہیں مطلب میرا یہ ہے کہ اسلامی کونسل کی بالادستی درحقیقت قرآن و سنّت کی بالادستی ہے اسے کیوں نہ مانا جائے۔

ــــ یہ تو نئی قانون سازی کے بارہ میں تھا۔ سابقہ جتنے قوانین ہیں ان کو قرآن و سنت کے

مطابق کرنے کے بارہ میں کہا گیا کہ کونسل سات سال میں حتمی رپورٹ تیار کرے گی۔ گویا سات سال میں کونسل رپورٹ دے۔ اور آخر میں آکر ایوان یہ کہدے کہ ہمیں منظور نہیں تو ساری رپورٹ ردی کی ٹوکری میں چلی جائے گی (تو یہاں بھی اسمبلی کو اس رپورٹ کا پابند بنا دینا ضروری ہے۔)

مخصوص بینچ ۔۔۔ تو اس کے لئے ایک ضمانت آئین میں یہ دینی چاہئے کہ ایک عدالت عالیہ ہو اس میں علماء اور ماہرین شریعت اور دیگر ماہرین کا ایک مخصوص بینچ ہو جو اس بارہ میں فیصلہ کر سکے۔

کوشش نہیں، ضمانت ۔ اس آئین میں کچھ خوبیاں بھی ہیں۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ ایسے اقدامات کئے جائیں گے جس سے لوگ اس قابل بن جائیں کہ قرآن وسنت کے مطابق ان کی تربیت ہو اور انہیں سمجھایا جائے گا۔ کہ قرآن وسنت کی زندگی کیسی ہو۔؟ یہ تو منطقی الفاظ کا چکر ہے قابلیت کے معنی تو امکان اور صلاحیت ہے، اور وہ تو ہر وقت موجود ہے۔ ایسے اقدامات سے پہلے اگر ہم میں قابلیت نہ ہوتی تو ہم خدا کے جانب سے مکلّف کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہی حال سمجھنے سمجھانے کا ہے۔ اور قرآن وسنت کے مطابق زندگی سمجھنے والے تو آج بھی ہزاروں لوگ ہیں۔ پچانوے فیصد مسلمان سمجھتے ہیں کہ سود برا ہے، زنا برا ہے، جوا برا ہے۔ تو کیا "پالیسی کے رہنما اصول" میں رکھنے سے کہ معاشرہ میں قابلیت پیدا کی جائے گی، مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔؟

رہنما اصول کی حیثیت اسے عوام کی قابلیت اور استعداد اور سمجھنے پر نہیں چھوڑنا چاہئے بلکہ لازمی قرار دینا چاہئے۔ اس سے بڑھ کر خرابی یہ ہے کہ ان اصلاحات کو پالیسی کے اصول میں رکھا گیا ہے اسکی آئینی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ مسٹر جسٹس منیر نے کہا ہے کہ جیسے لوگ اپنی پارٹی کے انتخابات کے وقت عوام کے سامنے منشور پیش کرتے ہیں تاکہ لوگ اس کے گرویدہ ہو جائیں یہی حیثیت آئین میں پالیسی کے رہنما اصول کی ہوتی ہے۔ قانوناً اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

املاک کی جبری ضبطی اور ملکیت کی تحدید آئین میں یہ بھی ہے کہ افراد کے حقوق مالیہ کا تحفظ ہوگا، الا یہ کہ اگر ضرورت ہو تو ضرورت کے وقت اسکی اجازت ہوگی کہ کسی ملکیت کی تحدید کر دے یا اگر مفاد عامہ کے لئے کوئی ضرورت ہو تو حکومت بلا معاوضہ بھی اموال کو لے سکتی ہے۔ تو میں اتنی بات عرض کروں گا کہ اسی ضرورت کی بنیاد پر اگر ایک شخص جو بھوکا ہے اس کے بچوں نے کالج کی فیس دینی ہے۔ اور اس کے پاس پیسے نہیں تو وہ شخص اس ضرورت کی بناء پر کسی کی جیب کاٹتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں نے بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے جیب کاٹی ہے۔ تو اس پر آپ چوری کا قانون کیوں نافذ کرتے ہیں وہ بیچارہ بلا عوض لیتا ہے مگر کیا اسے ضرورت نہیں۔؟ تو کیا ضرورت

ہمیں چوری اور جیب تراشی کی اجازت دے سکتی ہے ۔؟

میرے خیال میں جب ہم نے اسلامی آئین کو بنیاد بنالیا ہے تو اس تسلیم شدہ بات کہ ہم اسلامی آئین بنائیں گے ، کا تقاضا ہے کہ ایسی دفعات ختم کردینی چاہئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ (مسلمان کا مال ، جان ، آبرو ، سب کچھ دوسروں پر حرام ہے ۔) اور چلئے ہم اس کے لئے تیار ہیں کہ اموال چھین لئے جائیں مگر اس میں یہ قید بہر حال لگانی چاہئے کہ ناجائز اموال انگریزوں کی دی ہوئی جاگیریں ظلم کے ذریعہ حاصل کی گئی دولت ضبط کریں گے ، لیکن اس صورت میں آپ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ ایسے اموال ضبط کرنے کا حکومت کو حق ہے ، لیکن وہ بھی حکومت کو نہیں ملیں گے اصل مستحقین اور حقداروں کو واپس پہنچانے ہوں گے ۔ جن سے چھینی گئی تھی وہ لوگ مل سکیں تو ان کو دی جائے گی ، لیکن آپ عوام کی تعلیم اور مفادات عامہ کے لئے دوسرے کے املاک ضبط کرنا چاہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ایک شخص کو زندگی دینے کیلئے دوسرے کا گلہ کاٹ دیں ۔ یہ انصاف نہیں ۔ اور پھر کیا مفاد عامہ کے لئے ہمارے بیت المال اور خزانہ میں اور طریقوں سے گنجائش نہیں نکل سکتی ۔ بہت سارا روپیہ ہماری عیاشیوں پر خرچ ہوتا ہے ، بڑی بڑی بلڈنگوں پر ، ہماری موٹروں پر ، ہماری زیب و زینت پر خرچ ہوتا ہے ۔ اسے کم کیوں نہیں کیا جاتا ـــــ تو ہم اس کو کم کردیں اس طرح بیت المال میں جو اموال جمع ہوں گے محتاجوں پر خرچ کریں ۔

دیکھئے حضرت عمرؓ کی کیا حالت تھی ، قیصر و کسریٰ اور تاج و تخت کے مالک بنے ، قبضہ میں دولت خزانے تھے ، لیکن حضرت عمرؓ کیا کرتے تھے ۔ دس دس پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن کر خطبہ دیتے ہیں اور زمین پر لیٹتے ہیں ۔ اور ایک دفعہ کھانا کھا رہے تھے ـــ تو جَو کی روٹی کھا رہے تھے ، ایک گورنر آیا اسے بلا کر بٹھایا اور کہا کہ کھائیے ۔ اس نے کہا کیسے کھاؤں ۔ یہ تو جَو ہے اور اس کا بھوسہ بھی نہیں نکالا گیا ۔ تو کیسے نگلے گا ، یہ تو گلے میں پھنس جائیگا ـــ تو جو اموال حرام طریقے سے جوا ، شراب کی وجہ سے حاصل ہوتی ہیں ۔ اسے تو ضبط کیا جا سکتا ہے ۔ حلال اموال کو نہیں ۔

ڈپٹی سپیکر صاحب :ـــ مولانا آپ ذرا تشریف رکھیں ۔ آپ نے کتنا وقت لینا ہوگا ۔ کیا آپ آج تقریر ختم کر سکتے ہیں ۔ تھوڑے وقت میں (کیونکہ اسمبلی ختم ہونے کا وقت نو بجنے کو ہے) یا کل تقریر جاری رکھنا چاہیں گے ۔

مولانا عبدالحق صاحب :ـــ اگر آپ دس منٹ بڑھا دیں تو ختم کردوں گا ۔

ڈپٹی سپیکر :۔ پھر آج ہی تقریر کو ختم کر دیں (حزب اختلاف سے اصرار تھا کہ کل بھی جاری رہے گی۔ تو سپیکر نے کہا۔)

ڈپٹی سپیکر :۔ میرا خیال ہے کہ ممبر کی آزادی میں کوئی آدمی دخل نہ دے۔ دونوں طرف سے، مولانا صاحب کی تقریر کا سلسلہ ٹوٹ جائیگا۔ مولانا صاحب کو تقریر کرنے دیں۔

پروفیسر غفور احمد :۔ مولانا یہ جو کی روٹی والی بات ان کو کچھ اچھی نہیں لگی۔

مولانا عبدالحق صاحب :۔ بہر حال میں دو باتیں عرض کر دوں کہ جو اموال حرام طریقے پر، ظلم کے طریقے پر، انگریز یا کفاروں کے خوش کرنے کے ذریعہ یا کسی اور طرح سے یا سود کی وجہ سے یا شراب کے ذریعہ حاصل کی گئیں وہ لے لیجئے اور اگر کوئی اصل حقدار ہے تو اسے حوالہ کر دیجئے اگر مالک نہیں ملتا تو بیت المال میں رہے، لیکن جو حلال آمدنی ہے وہ کسی طرح لینا جائز نہیں۔ دیکھئے یہ آئین تو ہم اس لیئے بنا رہے ہیں کہ اسی کے ذریعہ لوگوں کو اطمینان دلائیں کہ تمہاری جان تمہارا مال تمہاری آبرو، عصمتیں محفوظ ہوں گی تو جب اس آئین میں ہم نے ایسی دفعات رکھیں تو گویا آئین میں آیا کہ ہم تو لوگوں کو کاٹیں گے۔ تو اس طرح حفاظت کب ہوگی۔ اس کے علاوہ اگر آپ زمینیں بلا معاوضہ لینے کی دفعہ رکھیں گے۔ تو جو مالک ہیں وہ پیداوار بڑھانے میں دلچسپی نہیں لیں گے زمین پر محنت نہیں ہوگی اور جب زرعی آمدنی کم ہوگی تو ملک کیسے چلے گا۔ پھر لازما کارخانے اور صنعتیں بھی اس سے متاثر ہوں گی۔

صدر اور وزیر اعظم کا محاسبہ | دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ آئین میں یہ دفعہ بھی ہے کہ صدر کو اختیار حاصل ہے کہ کسی شخص کے متعلق اگر سزا ئے موت کا حکم ہوا ہے تو صدر اسے بھی معاف کر سکتا ہے۔ تو میں حیران ہوں کہ ایک طرف تو صدر کو وزیر اعظم کا پرائیویٹ سیکرٹری بنا دیا گیا ہے کہ کوئی کام وہ بغیر وزیر اعظم کی مرضی کے نہیں کر سکتا، بلکہ ہر معاملہ میں خوشی سے دستخط کرے گا۔ اور دوسری طرف اسے اتنا اختیار دیا گیا کہ خدائی حدود اور اختیارات کے مقابلے میں بھی صدر کی پوزیشن اتنی بڑھا دی گئی کہ خدا کا حکم ہے کہ : ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولوا الالباب۔ کہ تمہیں قصاص سے زندگی ملے گی۔

خدا نے حکم دیا کہ ایک شخص نے جرم کیا قتل عمد کیا ہے اسکو قتل کیا جائے۔ مگر کیا صدر مملکت خدا کے مقابلہ میں اتنا زور آور ہے کہ وہ کہے کہ میں معاف کر سکتا ہوں۔

مولانا مفتی محمود :۔ مولانا اور صدر کا یہ حکم بھی وزیر اعظم کے بغیر نہیں چلے گا۔

مولانا عبدالحق :۔ پھر تو دونوں مجرم ہوئے۔

ڈاکٹر مبشر حسن :- پوائنٹ آف آرڈر سر - جناب والا مفتی صاحب دخل اندازی کر رہے ہیں اور فاضل مقرر کو تقریر نہیں کرنے دیتے۔ فاضل ممبر کو ہدایات دے رہے ہیں۔ انہیں (مفتی محمود کو) کہیں کہ ادھر منہ کر کے بیٹھیں۔

ڈپٹی سپیکر :- اصل میں ہمارے علاقے کے دونوں بڑے علماء ہیں جن کا علم ٹکرا رہا ہے۔

مولانا عبدالحق صاحب :- (تقریر جاری رکھ کر) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جب مکہ معظمہ میں حکومت قائم ہوئی ایک قریش عورت جس کا نام فاطمہ تھا اور بنی مخزم میں سے تھیں، اس نے چوری کی، چوری کا ثبوت ہو گیا۔ یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمرؓ کے پاس گئے کہ آپ سے سفارش کریں تو انہوں نے کہا کہ بھائی ہم تو کچھ نہیں کہہ سکتے، حضرت اسامہؓ جو حضور کو بہت عزیز تھے، ان کے پاس جاؤ حضرت اسامہؓ کے پاس گئے اور انہوں نے جب حضورؐ سے سفارش کی تو حضورؐ نے بڑی ناراضگی سے فرمایا: افی حد من حدود اللہ۔ تم خدا کی حدود میں سفارش کرتے ہو۔ اس میں تو مجھے بھی کوئی اختیار نہیں کہ تخفیف کروں۔ اور پھر لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ خدا نے تمہیں حکومت دی کہ عدل و انصاف قائم کرو، تو آج جب خاندان کا معاملہ آیا تو تم نے سفارشیں شروع کیں۔ دیکھو اس سے پہلے جب لوگوں کے پاس حکومتیں آئیں تو انہوں نے یہی کیا کہ حدود اور قصاص کو غریبوں پر تو نافذ کر دیا مگر اپنے خاندان پر جاری نہ کیا تو وہ ہلاک ہو گئے، فرمایا میں تو کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ اور وہاں ایک عجیب جملہ آیا ہے جس میں ہمارے لئے بڑا سبق ہے، فرمایا یہ تو فاطمہ مخزومیہ ہیں۔

ولو ان فاطمہ بنت محمد سرقت (اعاذہا اللہ) لقطعت یدھا۔ فاطمہ بنت محمدؐ میری بیٹی جو "سیدۃ نساء اہل الجنۃ" ہے۔ خدا اسکی حفاظت کرے اگر اس کے ہاتھ سے بھی خدانخواستہ چوری ہو جائے تو اس کے ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔

—— تو یہاں اسلام کے اندر امیر اور غریب کا کوئی فرق نہیں تو یہ بڑی تعجب کی بات ہے کہ وزیر اعظم اور صدر کو بمقابلہ حکم خداوندی لے آئے جبکہ ہم نے طے کیا ہے کہ یہاں کوئی چیز اسلام کے خلاف نہیں ہوگی —— ہاں ایک ہیں تعزیرات، حدود اور قصاص میں تو کسی کو اختیار نہیں پہنچتا حضورؐ فرماتے ہیں کہ میرا بھی اختیار نہیں ہے۔

—— تو دنیا کے صدروں کو کیا اختیار ہوگا۔ البتہ تعزیرات کہ سیاستہً سزاؤں میں کمی

پیش کردی جائے۔ فرض کیجیے کہ شراب نوشی کا دور دورہ ہو ایک شخص بار بار حد قائم ہونے کے بعد بھی منع نہ ہو، چار پانچ دفعہ شراب پی لے، حدیث میں آتا ہے کہ اسے قتل کر دو، یہ سیاستہً ہے۔ حداً نہیں، قاضی کو اس کا اختیار دیا گیا تعزیرات میں صدر تخفیف کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ لیکن سزائے موت بوجہ قصاص اور قتل کرنے کی صورت میں ہو تو مقتول کا خون ضائع کر کے صدر اسے ساقط نہیں کر سکتا۔ یہ ہمارے اختیار میں نہیں۔ اور نہ حقوق العباد میں کسی کا تصرف چل سکتا ہے۔

آئندہ نسلیں کیا کہیں گی | الغرض آئین میں کچھ باتیں اچھی بھی ہوں مگر زیادہ تر اسلامی امور کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو تو کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکے گا۔ ہمیں چاہیئے کہ آئندہ نسلوں کے لئے اسلامی آئین پیش کر دیں کہ وہ بھی کہیں کہ جس آئین کے لئے سات کروڑ مسلمانوں کو ہندوستان میں غلام کیا گیا تھا۔ جس آئین کے لئے پچیس سال تک ہزاروں افراد شہید ہوئے، لاکھوں عصمتیں لٹیں اگر پیپلز پارٹی نے اسے اپنی اکثریت اور تسلط کے زور سے مسترد نہ کیا تو مسلمانوں کی قربانی کام آئی دوسری صورت میں آئندہ نسلوں کا کیا ردّ عمل ہوگا؟

جناب والا! میں نے تو پہلے بھی عرض کیا تھا کہ مسئلہ نہ حزب اختلاف کا ہے نہ حزب اقتدار کا، بلکہ ہم سب کا مشترکہ مسئلہ ہے تو اسے خلوص دل اور ایمانداری سے مرتب کریں کہ لوگ ہمیں دعائیں دیں، اور خدا بھی خوش ہو، اور یہ تب ہوگا کہ ایسی فضا پیدا کریں کہ چپقلش اور منافرت نہ ہے۔ اور ہر شخص کو ٹھنڈے دل سے سوچنے کا موقع مل سکے۔ اگر پیپلز پارٹی یہ کہے کہ چونکہ ہم برسر اقتدار ہیں اور فلاں دفعہ کو منظور کرانا وقار کا سوال ہے۔ اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو ہم لوگوں کی اکثریت ہاں کہہ کر اسے ہر حالت میں پاس کر دے گی تو کیا یہ ظلم نہ ہوگا۔ آئین پر ظلم نہیں کرنا چاہیئے۔ اس طرح ہم حزب اختلاف والوں کو بھی چاہیئے کہ ہم اس نقطۂ نگاہ سے کام نہ لیں کہ یہ مسودہ چونکہ ہمارے ان بھائیوں نے پیش کیا ہے۔ اس میں ضرور ہر جگہ کچھ نہ کچھ تنقید کرنی ہے۔ جتوئی صاحب (عبدالحمید صاحب جتوئی۔) پیپلز پارٹی میں ہیں۔ لیکن انہوں نے کتنی اچھی باتیں کہیں، جو ان کی صوابدید میں درست تھیں، یہی جذبہ سب ارکان کو اپنانا چاہیئے۔ ہم قوم کے مفاد، افراد کے مفاد اسلام کے مفاد میں جو بھی بات ہو اسکی ترمیم پیش کریں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

سودہ دستور میں شیخ الحدیث مدظلہٗ کی پیش کردہ تقریباً ایک سو ترامیم اور اکابر جمعیۃ العلماء اسلام کی ترامیم اور اس بارہ میں دستور ساز اسمبلی کا طرز عمل اور دیگر دستوری تفصیلات آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

دستور کی ترامیم کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا
ارکانِ دستوریہ سے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی دردمندانہ اپیل

مسودہ دستور پہ تفصیلی بحث اور مجوزہ ترامیم کے سلسلہ میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ممبر قومی اسمبلی نے تمام ارکان دستوریہ سے دردمندانہ اپیل کی ہے کہ مسودہ اور مسودہ کی مجوزہ ترامیم پہ غور کرتے ہوئے خداوند کریم کے سامنے جوابدہی، قیام پاکستان کیلئے اسلام کی خاطر مسلمانوں کی لاتعداد قربانیوں، نظریہ پاکستان، ملک وملت، آنے والی نسلوں کے مفادات کو پیش نظر رکھ کر کوئی رائے قائم کی جائے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے ایک اخباری بیان میں فرمایا کہ یہ بات قطعی طے ہے کہ قیام پاکستان کی بنیاد اسلامی نظریہ تھا۔ اس نظریہ پہ مبنی آئین نہ ہونے نے ملک کو انتشار اور بالآخر تباہی سے ہمکنار کر دیا اور اب ملک کی سالمیت بقاء اور تحفظ خالص اسلامی آئین پہ موقوف ہے۔ تو اراکین کو تمام ذاتی، علاقائی اور گروہی مفادات سیاسی وابستگیوں کو بالائے طاق رکھ کر سوچنا ہے کہ کیا مسودہ کے مجوزہ طریقہ کار سے اسلامی قانون سازی ممکن ہے۔؟ اگر نہیں تو کسطرح اسکا تدارک ہوسکتا ہے۔؟ جبکہ اسلامی نظریاتی کونسل کی موجودہ شکل سے اسکے تحفظ کی ضمانت ہرگز نہیں مل سکتی، اب اگر بعض خالص اسلامی ترامیم (خواہ وہ جسطرف سے بھی آئی ہوں) کے ذریعہ اسلام کی بالادستی، خداوند کریم کی حاکمیت اسلامی قانون سازی کا تحفظ، لادینی نظریات کی تبلیغ واشاعت کے انسداد، معاشرہ کی اسلامی تعلیم وتربیت اور اسلامی نظام عدل ومساوات کی ضمانت حاصل کرنے کی کوشش ہورہی ہے، اور کچھ ارکان اسے محض ذاتی اور پارٹی وقار کی وجہ سے بے دردی سے مسترد کر دیں اور اکثریت کے بل پہ اپنی بات منوائیں گے۔ تو داورِ محشر کے سامنے یقیناً انہیں جوابدہ ہونا پڑے گا۔ کیونکہ اسطرح وہ اس ملک میں اللہ کی حاکمیت اسلام، اسلامی اقدار، تمدن و تہذیب کی بالادستی کے لئے رکاوٹ بنیں گے۔ مولانا عبدالحق مدظلہ نے نہایت خلوص سے اپیل کی ہے کہ آئین قوم کی موت وحیات کا مسئلہ ہوتا ہے۔ اس لئے مخلصانہ جذبات سے کام لیکر کوئی فیصلہ صادر کیا جائے۔ مولانا نے کہا کہ پہلے ہی دن خالص اسلامی ترامیم کے بارہ میں جو سلوک کیا گیا اور جسطرح انہیں مسترد کیا گیا اس سے یہ تشویش پیدا ہوچکی ہے کہ شاید یہ آئین بھی مسلمانوں کے اعتماد پہ پورا نہ اتر سکے خدانخواستہ یہی ہوا تو یہ اس ملک کی انتہائی بدقسمتی ہوگی۔ اور شاید قدرت ہمیں کوئی اور موقعہ نہ دے۔ مولانا نے کہا کہ میری اس اپیل کی بنیاد کوئی سیاسی یا گروہی نہیں خالص جذبہ "الدین النصیحۃ" اور خیر خواہی ملک وملت ہے اس لئے اکثریتی پارٹی کے ارکان سے توقع ہے کہ وہ سب بحیثیت ایک مسلمان کے اس پہ غور کریں گے ــــــــ۔

الحق کے سوالنامہ کے جواب میں

سلسلہ ۱۱/۱۴

میری علمی و مطالعاتی زندگی

★ علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہٗ جامعہ اسلامیہ بہاولپور

★ مولانا اطہر علی صاحب۔ مشرقی پاکستان کشور گنج۔

آج یکم ستمبر ہے، پندرہ یوم کی رخصت بوجہ ضعف و مرض کے لی گئی ہے، ورنہ آج جامعہ میں حاضر ہونا تھا۔ آپ کے سوالات کا جواب آج لکھ کر ارسال کر رہا ہوں۔ لیکن مختصر دورِ عقلیت اور افرنجیت کے لئے آٹھ مصنفین کی کتابیں مفید ہیں۔ امام غزالیؒ۔ امام شاطبیؒ۔ حافظ ابن تیمیہؒ۔ حافظ ابن قیمؒ اور ان چار کے بعد شاہ ولی اللہؒ۔ شاہ عبدالعزیزؒ۔ شاہ اسمٰعیلؒ۔ مولانا محمد قاسمؒ ان آٹھ حضرات کی تصنیفات اہم ترین ہیں۔ ان حضرات کی تالیفات و سوانح اپنی جگہ معلوم و مشہور ہیں۔ امام غزالی کی احیاء العلوم[۱]، مکاتیب غزالی[۲]، والتبر المسبوک فی نصائح الملوک[۳] علیٰ ہامش کتاب سراج الملوک لابی بکر (الطرطوشی) المضنون[۴] بہ علی غیر اہلہ۔ معارج القدس[۵]۔ التفرقہ[۶] بین الاسلام والزندقہ۔ قاصم[۷] الباطنیہ۔ امام شاطبی کی کتاب الموافقات[۸]۔ والاعتصام[۹]، امام ابن تیمیہ کی کتاب۔ منہاج السنۃ[۱۰] النبویہ فی نقض کلام الشیعہ والقدریہ، وکتاب[۱۱] موافقۃ المعقول لصریح المنقول الحسبۃ فی الاسلام۔ السیاسیۃ[۱۲] الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیہ الصارم[۱۳] المسلول امام ابن قیم کی کتاب شفاء[۱۵] العلیل فی القضاء والقدر والتعلیل۔ کتاب[۱۶] الروح حادی[۱۷] الارواح الی بلاد الافراح۔ اعلام[۱۸] الموقعین۔ احکام[۱۹] اہل الذمۃ۔ طرق[۲۰] الحکمیہ فی السیاست الشرعیہ شاہ ولی اللہ کی کتاب حجۃ[۲۱] اللہ البالغہ۔ ازالۃ[۲۲] الخفاء عن خلافۃ الخلفاء[۲۳] الفوز الکبیر۔ البدور[۲۴] البازغۃ۔ الخیر[۲۵] الکثیر۔ عقد الجید[۲۶] فی الاجتہاد والتقلید۔ الانصاف[۲۷] فی بیان سبب[۲۸] الاختلاف۔ شاہ عبدالعزیز[۲۹] کی تفسیر فتح العزیز[۳۰]۔ فتاویٰ عزیزیہ[۲۹]۔ بستان[۳۰] المحدثین۔ کمالات عزیزی[۳۱]۔ شاہ اسماعیل کی کتاب عبقات[۳۲] منصب امامت[۳۳] الصراط[۳۴] المستقیم۔ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی تقریر دلپذیر[۳۵]۔ آب حیات[۳۶]، حجۃ الاسلام[۳۷]، قبلہ نما[۳۸] ــــــ ان کتابوں سے بیں متاثر ہوا۔ اور ان سے میری لوحِ حیات پہ یہ نقوش ثبت ہوئے

کہ .. بنی امی علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت حکم و اسرار کا مخزن ہے اور حقیقی حکمت و فلسفے کا گنجینہ ہے۔
(ب) ان کتابوں اور مصنفین کی تفصیلی خصوصیات کے لئے دفتر درکار ہے۔ ان سب میں اجمالی مشترک خصوصیات یہ ہیں۔ ۱۔ دینی احکام کی ایسی تشریح کرنا جس سے دل و دماغ متاثر ہو سکے۔ ۲۔ احکام شرع کے عمیق فلسفہ اور اصول دین کے غامض حکمتوں سے پردہ ہٹانا۔ ۳۔ عقل پرستوں کی عقلی کجی کو دور کرنا اور ان کو صحیح راہ پر لانا۔ ۴۔ دور حاضر کی ضرورتوں کے مقتضیات کے مطابق اسلامی حقائق کی تعبیر کرنا۔ ۵۔ بیان میں تفہیم و تسلیم دونو پہلوؤں کو پیش نظر رکھنا کہ اسلامی مسئلہ کو سمجھایا بھی جائے اور منوایا بھی جائے۔ صرف مناظرانہ انداز میں مخاطب کو لاجواب کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ کہ ایسا کرنے میں کوئی خاص فائدہ نہیں یہی اسلوب کتاب و سنت کا ہے۔

(ج) تقریر و تحریر دو عظیم نعمتیں ہیں اور ذہنی انقلاب اور اصلاح بشری کے اہم ذرائع ہیں اس لئے تقریری اور تحریری دنیا کے حسن و قبح کا صحیح معیار میرے نزدیک عوامی جذبات کی پرستش نہیں ہونا چاہئے۔ وہ جرائد و مجلات کی فروخت کے لئے نفع بخش کیوں نہ ہوں۔ بلکہ حسن کا صحیح معیار ذہنی و فکری اصلاح ہے کہ لوح فکر سے غلط نظریات کو معقول دلائل کے ذریعے مٹایا جائے اور حق اور صواب کو اس پر نقش کیا جائے۔ اگرچہ تجارتی معیار کے لحاظ سے اس میں خسارہ ہو۔ تجارت باقیہ تجارت فانیہ سے بدرجہا بہتر ہے۔ ما عندکم ینفد و ما عند اللہ باق۔ اس قسم کے جرائد مغربی پاکستان میں بینات، الحق، البلاغ، انوار مدینہ ہیں۔

(د) میرے اساتذہ کرام میں سے کوئی زندہ نہیں۔ لیکن سب سے زیادہ اثر جو میری زندگی پر پڑا وہ میرے سب سے بڑے اور آخری شیخ و استاد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری ہیں جن کے تبحر علمی و تقویٰ عملی سے میں بے حد متاثر ہوا، اور اب تک ہوں اور رہوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی ذات تعریف سے بالاتر ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت کے متعلق یہ جملہ درست تحریر فرمایا۔ ما رئیت مثلہٗ قط ولا ھو رای مثل نفسہ۔ نہیں نے اسکی نظیر دیکھی اور نہ خود انہوں نے اپنی نظیر دیکھی۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ مولانا انور شاہ صاحب جیسے عالم کا اسلام پر ہونا اسلام کی صداقت کی دلیل ہے۔ آپ دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے۔

(ھ) اکابر اساتذہ دار العلوم اور خاک دار العلوم کی امتیازی شان بصیرت سے متعلق ہے۔ نہ بصر سے ان حضرات میں علم ظاہری اور باطنی جمع تھے۔ ان کی ذات جامع الکمالات تھی۔

(ش) ان کمالات کا محرر پر کچھ اثر تو نہیں ہے، البتہ ان حضرات سے مناسبت مزید پیدا ہوئی ہے۔

(ز) جدید مسائل و حوادث کے لئے ۱۔ کتاب روح الدین الاسلامی لعبد الفتاح

۲۔ المقارنات التشریعیہ بین القوانین الوضعیہ المدنیہ والتشریع الاسلامی للسید عبداللہ۔

۳۔ قصۃ الایمان بین الفلسفۃ والعلم والقرآن لابن ندیم الجسر والرسالۃ الحمیدیہ لحسین الافندی۔

(ح) قادیانیت کی تردید میں بہترین کتاب قادیانی مذہب الیاس برنی ایم اے کی ہے جو ہزار صفحات یا زیادہ پر مشتمل ہے۔ اور خود مرزا صاحب کی تحریرات سے قادیانیت کی تردید ہے۔ یہ اس مذہب جدید کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ انکار حدیث پر کافی رسائل و کتابیں لکھی گئی ہیں۔ سب اپنی موضوع میں کسی حد تک مفید ہیں۔ آپ انتخاب کریں۔

(ط) معاشی مسائل اور سائنٹیفی مسائل پر مکمل کتاب لکھنے کی ضرورت باقی ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتابیں بھی مفید ہیں۔ لیکن ابھی عملی حل کے لئے خلا باقی ہے۔ سائنس اور اسلام پر میں نے کچھ لکھا ہے۔ لیکن ہجوم امراض نے تعویق میں ڈال دی، لہذا تکمیل نہ ہو سکی۔

(سقوط بنگال سے پہلے) مولانا اطہر علی صاحب

محبی و مشفقی مولانا سمیع الحق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' کئی روز ہوتے عنایت نامہ پہنچا از حد مصروفیت صبح سے رات دس گیارہ بجے تک وہ بھی مختلف الجہات امور مہمہ کو انجام دینا، جیسے کہا جاتا ہے کہ سانس لینے کی فرصت نہیں اور ضعف پیری کے ساتھ ضعف حافظ کا الازم ہے۔ نیز فرصت مطلق نہیں کہ سوچ کر سوالات مرسلہ کا تشفی بخش جواب دوں، مزید آں جبکہ اہل فضل و کمال اکابر کے خاکپا ہونیکا بھی اہل نہیں ہے

دست کوتاہ خود بشر مسارم
کہ از بالا بلنداں بشر مسارم

مجھے اگر قابل خطاب ہی نہ سمجھا جاتا تو نقائص کا بھانڈا تو نہ پھوٹتا۔ اور جب اس عمر کا طبعی خاصہ ہی لکیلا یعلم بعد علم شیئا ہے۔ لہذا مختصر جواب مجمل یہ ہے: اساتذہ میں سے برائے نام جو کچھ علمی فیض پہنچا وہ امام العصر علامہ دہر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری قدس اللہ اسرارہم کی ذرہ نوازی ہے۔

باقی صفحہ ۳۵ پر

شانِ رسالت

حکیم الاسلام قاری محمد طیب مدظلہ
تلخیص:۔ محمد اقبال قریشی۔ ہارون آبادی

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند نے مدرسہ خیرالمدارس جالندھر حال ملتان کے پندرھویں سالانہ اجلاس منعقدہ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ کو "شانِ رسالت" کے عنوان سے جو مبسوط اور طویل وعظ فرمایا تھا اس کا خلاصہ۔ (محمد اقبال قریشی ہارون آبادی)

شان کے معنی | لغت عرب میں شان کے معنی حال کے آتے ہیں اور حال اصطلاح و لغت میں اس کیفیت و معنویت کو کہتے ہیں جن کا ورود قلب پر بلا قصد و اختیار ہو۔ حدیث نبوی کی ایک دعا میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِیْ شَانِیْ کُلَّہٗ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ۔" یعنی اے اللہ میرا حال درست فرما اور مجھے میرے نفس کے سپرد نہ فرما گھڑی بھر بھی۔" اور حال کو حال اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حول سے لیا گیا ہے جس کے معنی گردش کے ہیں اس لئے وہ کیفیت ہوتی ہے جو پائیدار نہ ہو۔ اور ردل بدل ہوتی رہے۔

جب انسانی قلوب پر احوال ظاہری ہوتے ہیں تو ان اہل حال سے ہر حال کے مناسب کچھ اعمال بھی سرزد ہوتے ہیں۔ اور یہ اعمال بصورت غلبہ حال کچھ ایسی بے تکلفی سے سرزد ہوتے ہیں کہ عمل باوجود اختیاری ہونے کے مثل اضطراری کے ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ترک عمل میں (مثلاً تہجد یا سخاوت وغیرہ) انسان بے چینی اور کرب محسوس کرتا ہے اور بے حال کا عمل بے ذوق اور کاہل کا سا ہوتا ہے کہ کوئی دباؤ پڑ گیا تو کر لیا ورنہ چھوڑ دیا۔ یہ فرق ہے غلبہ حال اور بلا حال کے عمل میں۔ اور جب کوئی طبیعت ثانیہ کی صورت اختیار کر کے اعماق قلب میں سرایت کر جاتے یہ حال مقام کہلاتا ہے اور اس حال والے کو صاحب مقام کہتے ہیں۔ پس حال پختہ مقام ہے کیونکہ حال ٹھہرتا نہیں اور مقام زائل نہیں ہوتا۔ اور شان جب بنتی ہے کہ حال مقام میں تبدیل ہو جائے۔ بالفاظ دیگر قوت باطن کے ساتھ حالی

ہو جائے اور باطن کا پختہ رنگ بن جائے اور قوت ظاہر کے ساتھ افعال مناسبہ رنگ برنگ ہو کر اس مقام سے سرزد ہوتے ہیں تو اس مجموعہ کو اصطلاح میں شان کہیں گے، ارشاد ربانی ہے: کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَأْنٍ۔ (سورہ رحمٰن) یعنی ہر روز وہ ایک نئی شان سے ہے۔

شانِ رسالت | مجموعی شان، کو شانِ ایمان کہتے ہیں اور شانِ علم اور شانِ عشق وغیرہ اسکا پرتو ہوتی ہیں، غرض ایک عارف اور ربانی انسان کی ایمانی اور کیفیاتی جڑ تو اعمال سے مضبوط ہوتی ہے۔ اور اعمال کی زندگی ان ایمانی کیفیات کا ثمرہ ہوتی ہے۔ اگر معاذ اللہ جڑ کاٹ دی جائے تو اعمال سرے سے نذارد ہو جائیں گے، غرض شانِ ایمان سب شانوں کی جڑ ہوتی ہے اور ہر فرد کامل کی شان نبیؐ کی شانوں کا پرتو ہوتی ہے۔ اس لئے نبیؐ مجموعہ شئون ہوتا ہے جسکی جامع شان سے امت میں مختلف انفرادی شانوں کا ظہور ہوتا ہے اور ہم جبکہ اہل اللہ کے احوال و شئون کا ادراک کرنے کی بھی پوری صلاحیت نہیں رکھتے تو کون ہے کہ شانِ رسالت و نبوت کی کیفیات و احوال کا تصور بھی کر سکے۔ پھر بھلا ان احوال و کیفیات کا جو قلب محمدیؐ پر طاری ہوتیں۔ بیان اور وہ بھی احاطہ کے ساتھ تو بھلا کس کے بس کی بات ہے۔ ہم اسکی کیا تاب و طاقت رکھتے ہیں جسکی وجہ یہ ہے کہ آپؐ کی ہر شان شانِ الٰہی سے بنتی ہے اور اس کے تابع ہے تو جو اللہ کی ساری شانوں سے واقف ہو وہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانوں سے واقف ہو سکتا ہے اور کون ہے کہ شئون خداوندی کا احاطہ کر سکے اس لئے کون ہے کہ شانِ رسالت کو بیان کر سکے۔ تاہم بالاجمال اس کی تصویر سامنے لانے کیلئے غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ، کی شانیں دو قسموں پر منقسم ہیں ۔ ۱۔ شانِ جمال مثلاً صفت انعام، اکرام، عفو، مغفرت، ہدایت، احیاء، اعطاء رزق و اعزاز وغیرہ۔ ۲۔ شانِ جلال مثلاً صفت انتقام، منع، اقتدار، امانت، تذلیل اور اضلال وغیرہ

جمالی شئون کا سرمنشا رحمت ہے اور جلالی شانوں کا سرچشمہ قہر و غضب ہے، پس اصل میں یہی دو بنیادی شانیں رحمت اور غضب ہیں اور بقیہ شانیں ان کے آثار ہیں۔

اب سمجھئے کہ حق تعالیٰ کی ان ہی دو شانوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانیں وابستہ ہیں، اور آپؐ کی ہر ایک شان خدا تعالیٰ ہی کی شانوں سے بنتی ہے۔ اس وابستگی کی دو صورتیں ہیں ایک تعلق دوسرا تخلق سو آپؐ کا تعلق یعنی علاقہ ان شئون الٰہی سے عبودیت کا ہے کہ آپؐ ہر ایک شان کا اسکے مناسب حالِ عبودیت کے ساتھ حق ادا فرماتے ہیں کیونکہ شئون الٰہی کا ادراک علم سے ہوتا ہے اور پھر معرفت سے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کی شانوں کو نہ آپ سے زیادہ کوئی جانتا ہے نہ پہچانتا ہے۔

کیونکہ معرفت کے معنی مشاہدہ اور علم کے معنی دانستن کے ہیں اور مشاہدہ بغیر قرب کے نہیں ہوتا اور علم بغیر عقل وسمع کے نہیں ہوتا۔ اب غور کرو تو ان مراتب علمی اور مشاہدات ومعارفِ الٰہیہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی نہیں ہے۔ سلسلہ علم کو لیجئے تو ہر ایک نبی کو تو ذات وصفات خداوندی کے بارے میں خاص خاص انواع کے علوم سے نوازا گیا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام علوم کا جامع اور خاتم المراتب قرار دیا گیا جسطرح حواسِ خمسہ کے علوم دماغ کی حس مشترک سے عود کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی مقام کو حدیث نبویؐ میں اس طرح فرمایا گیا ہے: اُوْتِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ۔ یعنی مجھے اگلوں اور پچھلوں کے سارے ہی علوم عطا کر دیئے گئے، یہی وجہ ہے کہ کمالات ربانی اور ہدایات رحمانی جس قدر آپؐ پر منکشف ہوئیں اتنی اوروں پر نہیں ہوئیں۔ آپؐ کی شریعت کا ہر حکم اپنی لم اور علت وحکمت کے ساتھ انتہائی طور پر مکمل جامع ظاہر وباطن اور مسیح علم وعقل ہے۔ تہذیب نفس کے اصول ہیں تو اجتماعیت کبریٰ کے جامع اصول لئے ہوئے معاشرتی نوعی ہے تو انتہائی اخوت ومعرفت کے اصول پر مشتمل وغیرہ وغیرہ۔

پھر یہی صورت آپؐ کی معرفت کی بھی ہے کیونکہ معرفت اسی کی کامل ہو سکتی ہے جس کا قرب کامل ہو، سو آپؐ کے قرب ومعیت الٰہی کا یہ عالم ہے کہ آپؐ خود ہی فرماتے ہیں: لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُہٗ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ۔ یعنی مجھے حق تعالیٰ کے ساتھ قرب کے ایسے درجات میسر آتے ہیں کہ ان تک کسی مقرب فرشتے کی رسائی ہوتی ہے اور نہ کسی نبی مرسل کی۔

——— گویا حضورِ اقدسؐ کی ذات اقدس بمنزلہ وزیر اعظم کے ہے، اور آپؐ اس مقام قرب اور فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ سے صرف ذات بادشاہی کو نہیں دیکھ رہے، بلکہ اسکی تمام صفات کمال بلکہ تمام فرشتوں واحوال کا بھی مشاہدہ کر رہے ہیں۔ جب آپؐ شئون جمالی کو جلوہ گر دیکھتے ہیں اور رحمت کی تجلیات سامنے آتی ہیں تو دعا واستدعا اور درخواستوں کی عبادت پیش کرتے ہیں اور جب شئون جلال کو جلوہ پیرا دیکھتے ہیں اور قہر وغضب کی تجلیات کا مشاہدہ ہوتا ہے تو پناہ جوئی اور تعوذ کی عبادت اختیار کرتے ہیں۔ شانِ قہر کے موقع پر حمد وثناء اور تحمید وتمجید کے صیغے اختیار فرماتے ہیں تاکہ دریائے رحمت جوش میں آجائے اور شانِ قہر کے وقت اعتراف تقصیر اور استغفار کے صیغے ورد زبان فرماتے ہیں تاکہ دریائے مغفرت امڈ آئے ——— پھر ان احوال متواردہ اور مقررہ اوقات کے علاوہ تسبیح وتہلیل، ذکر وثناء، تنزیہ وتقدیس اور قرأت تلاوت نیز خلوت مع اللہ اور جلوت لوجہ اللہ نیز اشغال باطن واوراد ووظائف ظاہر سے کوئی لمحہ فارغ نہ

تھا کیونکہ مشاہدہ جلال وجمال حق کیساتھ بھی کوئی ساعت خالی نہ تھی، پھر جیسے جمالاتِ حق لامحدود ہیں ایسے ہی آپؐ کے یہاں محامد وثناء کے صیغے بے حد وبے حساب ہیں جو مختلف الالوان ذوق وشوق اور انس ومحبت کے جذبات سے نکلتے ہیں۔ اور اسی ذوق وشوق کا اثر پیدا کرتے ہیں۔ پس جب آپؐ سے زیادہ کوئی حق تعالیٰ سے قریب تر نہیں ہو سکا تو قدرتاً آپؐ سے زیادہ کوئی بھی ان صفات کا مظہر نہیں بنا اس لئے آپؐ شئون الٰہیہ کے مظہر اتم اور مورد اکمل ثابت ہوئے آپؐ میں جمالی شان بھی علیٰ وجہ الاتم آئی اور جلالی شان بھی علیٰ وجہ الاکمل نمایاں ہوئی۔ اسی لئے آپؐ صفات الٰہیہ کے مظہر بنے، اسی لئے تو ارشاد ہوا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ۔ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔ نیز ارشاد ہوا وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔ اور وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی o اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی o

چونکہ آپؐ کی ہر شان، شانِ الٰہی کا پرتو ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا چنانچہ ارشاد فرمایا گیا وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ حق نما ہیں جس میں شئون ربانی جلوہ گر ہیں، مگر فرق اتنا ہے کہ آئینہ کے باہر اصل ہے اور آئینہ کے اندر عکس ہے۔ پھر جس طرح شان رحمت وقہر میں حق تعالیٰ کی شان رحمت کو غلبہ بنص حدیث ہے۔ اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ۔ اسی طرح آپؐ کی شانِ رحمت کا غلبہ قرآن وحدیث نے دکھایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: لَقَدْ جَاءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ۔ اور حدیث نبوی ہے اَنَا رَحْمَۃٌ مُّھْدَاۃٌ۔ پھر جس صحابیؓ پر آپؐ کی خصوصی توجہ منعطف ہوگئی وہ بھی رحمت مجسم ہو گیا چنانچہ حدیث میں ہے: اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍؓ۔

دوسرا سلسلہ آپؐ کے تخلق باخلاق اللہ کا ہے کہ آپؐ ہر شانِ الٰہی کے جلووں اپنی روح پر فتوح میں جذب فرما کر الٰہی اخلاق سے متخلق اور ہر شان کا مظہر اتم ہیں اور مظہر شئون الٰہی بن کر وہی کام آپؐ کرتے ہیں جو اللہ کے کام ہیں۔ یعنی اسکی مخلوق کی ظاہری اور باطنی تربیت۔ اس سے آپؐ کی شانِ خلافت واضح ہوتی ہے جس سے واضح ہوا کہ بنیادی طور پر رسالت کی دو شانیں ہیں ۱۔ شانِ عبادت: اس سے آپؐ کے تعلق مع اللہ کا کمال واضح ہوتا ہے۔ ۲۔ شانِ خلافت: اس سے تعلق مع الخلق کا کمال کھلتا ہے، بالفاظ دیگر آپؐ نے شانِ عبادت سے تو اللہ کی صفات جلال وجمال کی روشنی خود حاصل فرمائی تاکہ ان صفات کو اخلاق کے پرتو دل سے مخلوق کی تربیت فرمائیں۔ شانِ عبادت سے آپؐ کا تقرب الی اللہ

نمایاں ہوتا ہے اور شانِ خلافت سے آپ کا تفوق بالخلق۔ ایک مقام سے اقترابات کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں اور ایک سے اتفاق کی۔ ایک سے تدین کا دروازہ کھلتا ہے، ایک سے تمدن کا۔ ایک سے دیانت کی روشنی پھیلتی ہے اور ایک سے سیاست کی۔ ایک سے تہذیب نفس کے اصول ہویدا ہوتے ہیں اور ایک سے تربیتِ خلق کے۔ غرض ان دو ہی بنیادی شانوں سے رسالت کی ہزارہا شانیں نمودار ہوتی ہیں۔ اس لئے ان دو شانوں کی تفصیل ہی تمام شئونِ رسالت کا بیان ہے۔ مگر جس کی ہر شان شانِ الٰہی سے ماخوذ و مربوط ہو اس کی شان کو وہی بیان کر سکتا ہے جو شئونِ الٰہیہ سے پورا واقف ہو اور کون مخلوق ہے جو اس کی ایک شان کے کسی ایک گوشہ کو بھی اپنی محدود عقل و خرد سے پرکھ سکے یا پا سکے تو پھر کون ہے کہ شانِ رسالت کے کسی ایک گوشہ کو بھی کما حقہ سمجھ سکے چہ جائیکہ بیان میں لا سکے۔

لَا يُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقَّهٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(آمدم بر سر مطلب) غرض جسطرح شانِ رسالت و عبادت کے کچھ لوازم ہیں بعینہ ان کی کچھ بنیادیں ہیں کہ جن کے لئے یہ دو شانیں مظہر ہیں۔ گویا یہ دو شانیں بمنزلہ برگ و بار کے ہیں اور وہ مستور شانیں بمنزلہ تخم کے ہیں یا یہ دو شانیں بمنزلہ تعمیر کے ہیں اور وہ مخفی شانیں ان کے لئے بمنزلہ ستون و ارکان کے ہیں جن پر شئونِ رسالت کی عمارت کھڑی ہے۔ سو وہ مخفی اور باطنی شانیں تین ہیں۔ قربؔ، ہمتؔ، ہدایتؔ، چنانچہ حضورِ اقدسؐ کی شانِ قرب جساً و معنیً معراج سے زیادہ نمایاں ہوتی ہے جسکو قرآن نے ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى - فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔ سے واضح فرمایا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ذات بابرکات حق جل جلالہ جو غناءِ مطلق کے اوج پر اوج ہے اس کا قرب اور قرب کی طرف عروج مخلوق کو میسر آجانا جو اپنی جبلت کے لحاظ سے ہوئی و ہوس کے مادوں میں پھنسی ہوئی ہے اور نفسانی خواہشات کی مخلوقی بندشوں میں جکڑ بند ہے، جو بغیر دو قوی بازوں زہد فی الدنیا اور رغبت فی الآخرت کے دشوار ہے۔ سو آپؐ کے زہد اور دنیا سے بے تعلقی کا حال یہ تھا کہ بیتِ نبوت پر مہینے ایسے گذر جاتے کہ گھر میں دھواں تک نہ اٹھتا ایک کھجور اور ایک پیالہ پانی پر گذر ہوتا۔ اور رغبت فی الآخرت کا یہ عالم کہ کبھی آپؐ ذوقِ آخرت میں شہادت کی تمنا فرما رہے ہیں کہ بار بار زندہ ہوں اور بار بار راہ خدا میں قتل کیا جاؤں کبھی دعا فرماتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ حَبِّبِ الْمَوْتَ اِلٰى مَنْ يَعْلَمُ اَنِّيْ رَسُوْلُكَ۔

نبوت کی دوسری بنیادی شان ہمتِ قلوی اور عزم بلند ہے کہ نبی کو اپنے مشن اور مقصد کی تکمیل میں نہ ننگ و ناموس کی پرواہ ہو نہ بدنامی و رسوائی کی۔ چنانچہ آپؐ کی مساعی و تبلیغ کو روکنے کے لئے

قرابتوں کے زور ڈالے گئے مال و جاہ کا طمع دلایا گیا، بائیکاٹ کیا گیا، اور تمسخر و تشنیع کا راستہ اختیار کیا گیا۔ ایذا رسانیوں کی حد کر دی گئی، پتھر مارے گئے، کتے پیچھے لگائے گئے راستہ میں کانٹے بچھائے گئے، سحر کرایا گیا، زہر دلوایا گیا، جنگیں لڑی گئیں، حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں: مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مَا اُوْذِیْتُ۔

——— لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی حضورؐ کو اپنے مقام بلند سے نہ ہٹا سکی جسکا راز وہی ہمتِ قوی اور عزم صمیم تھا، جو قلب نبوت کا خاص مقام تھا جس نے ان تمام پیشکشوں اور دھمکیوں کو خس و خاشاک کی مانند بنا دیا ——— رہا یہ کہ ہمت عالی کس مقصد کیلئے استعمال میں آتی ہے۔ سو اس مقصدِ عالی کا نام ہدایت ہے۔ جس کے لئے نبی کی بعثت عمل میں آتی ہے۔ اسی ہدایت کے لئے وہ قانونِ الٰہی آتا ہے، جسے شریعت اور منہاج کہتے ہیں۔ اسی کی رو سے عالم کی تعلیم و تربیت عمل میں آتی ہے اور دنیا کو ظلم و جہل کی تاریکیوں سے نکال کر عدل و علم کی فضا میں پہنچایا جاتا ہے۔ جس سے ان کی دنیا اور آخرت دونوں درست ہوتی ہیں۔

اب اگر غور کرو تو کمال قرب سے حضورؐ کی شانِ عبادت نکلتی ہے کہ نیاز تام کے ساتھ بارگاہ حق میں ہر وقت قلب و قالب سے سر بسجود ہیں جو عبدیت کا اعلیٰ مقام ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ اور ارشاد نبوی ہے: اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ۔ لیکن شانِ ہمت و ہدایت عملی حیثیت سے دنیا کے ساتھ مخصوص ہے وہ بھی تا قبول ہدایت خلق یا فناء صلاحیت خلق کیونکہ جب یہ عنصری زندگی ختم ہو جائے گی تو اسکی ضرورت بھی نہ رہے گی، پس شانِ قرب اصلی ہے اور شانِ ہمت و ہدایت بایں معنی عرضی۔

اب یہی دو اساسی شانیں قرب، ہمت اور ہدایت اور دو فرعی شانیں عبادت اور خلافت کو ملا کر انہیں بنظر وحدانی دیکھا جائے تو اسی مجموعی شان کا نام شانِ شریعت ہوگا پس شانِ رسالت درحقیقت شانِ شریعت ہے اور شریعت نبی کی سیرت سے بنتی ہے، نبی کے اقوال، افعال، احوال اور شئون جو مجموعہ سیرت ہیں حجت الٰہی ہو کر شریعت کہلاتے ہیں۔ پس حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سیرت مبارکہ مع اپنے اجزاء طیبہ کے سارے عالم کیلئے پیغام ہے۔ شانِ رسالت اور سیرت نبوت پر چل کر کرامت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم شاندار بن سکتی ہے۔ حضرات صحابہؓ اور سلف کی شان اسی شان سے بنی اور اسی سے ان کے ذریعہ سلف کا ایک ایک فرد ایک ایک امت بن گیا پھر نہ صرف افراد انسان یا عالم النفس بلکہ اسلام میں عالم کا مادی اور روحانی نظام بھی اسی شان اور اسی جامع سیرت سے قائم ہے۔

اور اسی عالم کا امن وسکون وابستہ ہے۔ اگر آج مسلمانوں کو اپنا روحانی نظام قائم کرنا ہے تو شانِ عبادت قائم کریں، اور مادی نظام قائم کرنا ہے۔ تو شانِ خلافت قائم کریں اور اس سیرت کے جامع بن کر اگر سارے عالم کو ایک رشتہ میں پرونا ہے تو شانِ شریعت قائم کریں۔ اب میں اپنی تقریر کو دعائے توفیق پر ختم کرتا ہوں۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

مسرت انگیز

لاہور ——— زرعی یونیورسٹی لائلپور کے جنرل سیکرٹری اور جمعیۃ طلباء اسلام صوبہ پنجاب کے صدر رانا اشفاق نے صوبائی جمعیۃ کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے یہ اعلان مسرت سنایا۔ کہ جمعیۃ طلباء اسلام کی مساعی جمیلہ کے سبب ایشیا کی سب سے بڑی زرعی یونیورسٹی لائلپور کے آئین میں یہ دفعہ رکھ دی گئی ہے۔ کہ یونیورسٹی یونین کے الیکشن میں حصہ لینے والے طالب علم کا مسلمان ہونا لازمی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے جمعیۃ طلباء اسلام کا نمائندہ اور یونین کا جنرل سیکرٹری ہونے کی حیثیت سے آئین میں مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک کی اسمبلی میں پیش کردہ متفقہ تعریف بھی شامل کرادی ہے۔

انہوں نے کہا کہ انشاء اللہ اب کوئی مرتد اور غیر مسلم زرعی یونیورسٹی لائلپور میں انتخاب میں حصہ نہیں لے سکے گا۔ (ترجمان اسلام لاہور۔ یکم مارچ ۱۹۷۳ء)

مشاہیر علماء سرحد
قسط نمبر ۱

قاری فیوض الرحمٰن ایم۔ اے
ایبٹ آباد

تذکرۂ اساتذہ
دارالعلوم حقانیہ

اساتذہ دارالعلوم حقانیہ میں سرِفہرست حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ ہیں جن کا مختصر تذکرہ راقم کے قلم سے خدام الدین لاہور یکم ستمبر ۷۲ء میں شائع ہو چکا ہے، جسے قدرے تفصیل سے قلمبند کرنے کے بعد الحق میں بھی شائع کیا جائے گا۔

(فیوض الرحمان)

★ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب مدظلہٗ (فاضل دیوبند)

وطن اصلی | زروبی، تحصیل صوابی، ضلع مردان۔

ولادت | آپ ۱۹۰۸ء میں مولانا خلیل الرحمٰن بن مولوی شاہ غریب بن مولانا سعد الدین کے گھر زروبی میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم | پرائمری سکول کی تعلیم کے بعد اپنے والد صاحب سے فارسی نظم شروع کی، پھر موضع "کھنڈی" کے مولانا عبدالرؤف صاحب سے کافیہ اور شرح جامی پڑھیں، جلالیہ کے مولانا عبداللہ جان صاحب سے (جو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ کے بھی اساتذہ میں سے تھے۔) مابقی شرح جامی اور الفیہ سعدیہ نامی کتابیں پڑھیں۔ منطق کے رسائل آپ نے شہباز گڑھ کے مولانا عبدالمنان صاحب سے پڑھے۔ پھر آپ حضرت مولانا قطب الدین غور غشتوی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے دو سال کے عرصۂ قیام میں مسلم، ملا حسن، غلام یحییٰ، قاضی، امور عامہ، خیالی اور نور الانوار وغیرہ کتب پڑھیں۔ بعد ازاں آپ حضرت مولانا غلام نبی صاحب ہزاروی، تلمیذ حضرت شیخ الہند ساکن گیدڑ پور تحصیل مانسہرہ (ہزارہ) کے ہاں تحصیل علم کے لئے گیدڑ پور پہنچے، اور زندگی کے آخری لمحات تک ان سے پڑھتے رہے: آپ کو دو سال ان کی خدمت میں رہ کر مسلم

حصہ تصدیقات، شرح عقائد، السبع المعلقات، مفتاح العروض، میبذی، صدرا اور حمد اللہ وغیرہ کتب پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

ایک سال آپ نے اپنے ماموں مولانا محمد صاحب (جو ان دنوں چکوال ضلع جہلم میں تدریس پر مامور تھے) کے پاس گذارا اور ان سے مطول، مختصر المعانی، مشکوٰۃ اور جلالین پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے روانگی | ۱۳۵۱ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور تکمیلی کتب کے بعد ۱۳۵۳ھ میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی سے بخاری شریف، مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ سے مسلم شریف، حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزارویؒ سے طحاوی اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے موطا امام مالک پڑھیں۔

تدریسی خدمات | فراغت کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے، آپ کو تپدق کی تکلیف تھی، حکیم نابینا انصاری نے علاج کیا، ۱۳۵۴ھ میں آپ نے مدرسہ رحیمیہ دہلی میں تدریس کا آغاز فرمایا اور تین سال تک مختلف علوم و فنون کی کتابیں زیر درس رہیں، پھر آپ مدرسہ رحمانیہ دہلی میں منتقل ہوگئے اور وہاں دس سال تک پڑھاتے رہے۔ اسی اثناء میں آپ چھٹی پر وطن تشریف لے آئے۔ ۴ ماہ تک گھر پہ رہے۔ اسی دوران آپ کو مہتمم صاحب رحمانیہ کیطرف سے خط موصول ہوا کہ تدریس کے لئے آجائیں۔ آپ نے ۱۰ ر شوال تک پہنچنے کا وعدہ فرمایا، لیکن ۱۰ ر شوال سے پہلے ہی پاکستان وجود میں آگیا۔ پھر گھر پہ تدریس کا سلسلہ شروع فرما دیا۔

دارالعلوم حقانیہ میں | دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے افتتاح کے بعد یہاں تدریس شروع کی لیکن خرابی صحت کی وجہ سے تدریس کا یہ سلسلہ چھ ماہ سے زائد جاری نہ رہ سکا۔ آپ گھر چلے گئے اور تقریباً چھ سال تک گھر پہ تدریس کا شغل بھی کچھ نہ کچھ جاری رکھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کے ارشاد پر آپ نے ایک سال منظر العلوم کھڈہ کراچی میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔ ساتھ ساتھ علاج بھی کرواتے رہے۔ پھر کراچی سے واپس تشریف لے آئے اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ کی دعوت پر دوبارہ ۱۹۵۸ء میں تدریسی خدمات شروع کیں اور گذشتہ سولہ سال سے اسی دارالعلوم کی رونق کو بڑھانے میں مصروف ہیں دارالعلوم حقانیہ میں ہمیشہ بلند پایہ کتب مثلاً دورۂ حدیث مسلم شریف تفسیر میں بیضاوی اصول فقہ میں تلویح توضیح زیر درس رہتی ہیں۔

صوفیانہ مسلک | آپ نے پہلی بیعت حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد صاحب مدنیؒ

کے دست حق پرست پر کی، ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتوی کے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا عبدالمالک صاحب مدظلہ کی طرف رجوع کیا۔ انہوں نے اجازت بیعت سے بھی نوازا ہے۔ ۱۹۶۹ء میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حج کی سعادت نصیب فرمائی۔ صاحبزادوں میں بڑا لڑکا محمد ابراہیم دارالعلوم حقانیہ میں زیر تعلیم ہے۔

★ حضرت مولانا عبدالغنی صاحب مدظلہ (فاضل دیوبند)

وطن اصلی | ستھانہ دار ڈاک خانہ تیمرگرہ

پیدائش | آپ ۱۹۱۸ء کے قریب موضع "ستھانہ دار" ڈاک خانہ تیمرگرہ، سابق ریاست دیر میں مولانا حیدر علی صاحب کے گھر پیدا ہوئے، نسباً آپ پٹھانوں کی "اتمان خیل" شاخ سے تعلق رکھتے ہیں ۔۔۔۔

ابتدائی تعلیم | ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر اپنے چچازاد بھائی مولانا محمد حسن مرحوم سے ابتدائی کتب پڑھیں۔

دارالعلوم دیوبند کو روانگی | ۱۳۴۹ھ میں اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند پہنچے، چھوٹی کتابوں کی وجہ سے آپ کو امداد کا مستحق نہ سمجھا گیا اس لئے مدرسہ صدیقیہ دہلی میں ایک سال مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی سے کچھ کتابیں پڑھیں۔

ڈابھیل میں | ۱۳۵۰ھ میں آپ کے بھائی ڈابھیل چلے گئے، آپ بھی ان کے ہولئے، وہاں ایک سال میں مفتی عتیق الرحمٰن صاحب سے السبع المعلقات، سلم، حسامی اور ہدایہ اولین پڑھیں اس وقت شاہ انور شاہ کشمیری ڈابھیل میں تھے، آپ نے ان کی زیارت اور صحبتوں کا شرف حاصل کیا۔

میرٹھ میں | ۱۳۵۱ھ میں آپ میرٹھ پہنچے اور وہاں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب ہزاروی سے ہدایہ آخرین، صدرا، شمس بازغہ، اور حمد اللہ نامی کتابیں دو سال کے عرصہ میں پڑھیں۔

دوبارہ دارالعلوم دیوبند میں | ۱۳۵۳ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ موقوف علیہ کی تکمیل کے بعد چوتھے سال میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی سے دورہ حدیث پڑھا۔ بخاری و ترمذی حضرت موصوف سے، مسلم حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی سے ابو داود حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب سے، طحاوی حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی

سے، مؤطا امام محمد حضرت مولانا عبدالحق نافع گل صاحب سے، نسائی حضرت مولانا ریاض الدین صاحب سے، اور مؤطا امام مالکؒ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے پڑھیں۔ ۱۳۵۸ھ میں سند فراغت حاصل کی۔

تدریسی خدمات | فراغت کے بعد قومی مدرسہ علی گڑھ میں تمام علوم و فنون کی کتابیں پڑھاتے رہے۔ ہر روز ۱۴ اسبق پڑھانے کا معمول تھا، کتب حدیث بھی زیر درس رہیں، تقسیم ملک تک تقریباً سات آٹھ سال یہیں پڑھاتے رہے۔ اس مدرسہ میں آپ نائب شیخ الحدیث تھے۔

وطن کو واپسی | تقسیم ملک کی وجہ سے ۱۹۴۷ء میں آپ عازم وطن ہوئے، اور تقریباً تین سال گھر پر پڑھاتے رہے۔

دارالعلوم حقانیہ میں | ۱۳۷۰ھ میں دارالعلوم حقانیہ میں آپ کی تدریسی خدمات حاصل کر لی گئیں، ۲۲ سال سے یہاں اعلیٰ کتب پڑھانے میں مصروف ہیں۔ خاص طور سے معقولات کی اونچی کتابوں میں آپ کو بڑی درک ہے اور عموماً یہی کتابیں پڑھاتے رہے ہیں۔

صوفیانہ مسلک | آپ حضرت مولانا عبدالمالک صاحب سے بیعت ہیں، اور انہوں نے اجازت بیعت سے بھی نوازا ہے۔

اولاد | آپ کے چار فرزند اور چار بچیاں ہیں۔ بڑے فرزند جمال عبدالناصر دسویں میں پڑھ رہے ہیں اور ساتھ ہی دینی کتب کی تحصیل بھی جاری ہے۔ ان سے چھوٹے رفیع الدین ہیں، ان سے چھوٹے نصیر الدین اور سب سے چھوٹے جناب جلال الدین ہیں۔

اخلاق و عادات | دارالعلوم کے تمام اساتذہ کرام کے اخلاق سنت نبوی کا نمونہ ہیں۔ رہن سہن سب کی نہایت سادہ، زہد قناعت کی زندگی اور معمولی ذرائع معاش پر گذربسر اساتذہ دارالعلوم کا طغرائے امتیاز ہے۔

سیاسی مسلک | دارالعلوم کے اساتذہ کرام سیاسی طور پر "جمعیۃ علماء اسلام" سے وابستہ ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے ہم مسلک ہیں اور بالعموم حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے ہم مشرب اور ان کے جاں نثار معتقدین میں سے ہیں۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب مدظلہ

وطن اصلی | شانگلین، ضلع سوات۔

ولادت | آپ ۱۹۱۹ء میں موضع شانگلین ڈاک خانہ تحصیل خوازہ خیلہ ضلع سوات مالاکنڈ ڈویژن

یبون عنایت ... اللہ صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ اور علمی گھرانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی گھرانے مولانا سید احمد صاحب عارف ستانہ الفین صاحب حق المتوفی مکہ معظمہ مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک آپ کے ماموں تھے، ان کی وفات کے بعد آپ کو دار العلوم میں آکر تدریس کی ذمہ داری سنبھالنی پڑی۔

ابتدائی تعلیم | ابتدائی تعلیم قنبر کے مولانا عبدالرشید صاحب سے حاصل کی، پھر حضرت مولانا مفتاح الدین صاحب، فاضل دیوبند آف بحرہ (سوات) سے مطول، مختصر المعانی اور شرح عقائد پڑھیں۔ علم نحو کی کتابیں — کافیہ اور شرح جامی آپ نے "ہلتی" کے مولانا محمد صدیق صاحب سے پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم کیلئے روانگی | ۱۹۴۳ء میں آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے مظاہر العلوم سہارن پور تشریف لے گئے، وہاں تین سال تک پڑھتے رہے، دورۂ حدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ سے پڑھا۔ آپ کے اساتذہ حدیث میں شیخ الحدیث مذکور کے علاوہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبلپوری اور حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب مہتمم کے بھی نام آتے ہیں۔

تدریسی خدمات | فراغت کے بعد آپ نے ایک سال "دار العلوم" سہارنپور میں تدریس کی۔ تقسیم ملک کی وجہ سے گھر آنا پڑا، پھر آٹھ سال تک حکمت آباد، تحصیل چارسدہ ضلع پشاور میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

دار العلوم حقانیہ میں | ۱۹۵۵ء سے آپ دار العلوم حقانیہ سے وابستہ ہیں اور اعلیٰ کتابیں۔ ہدایہ آخرین، طحاوی، مختصر المعانی اور بعض اوقات ابوداؤد شریف بھی پڑھاتے ہیں۔

اولاد | آپ کے پانچ فرزند ہیں، بڑے عبدالصمد ہیں جو ایف۔ اے کے بعد دار العلوم حقانیہ میں درسی کتابیں پڑھ رہے ہیں۔ ان سے چھوٹے عبدالاحد ہیں، یہ میٹرک ہیں اور اب دار العلوم حقانیہ میں پڑھ رہے ہیں۔ ان سے چھوٹے حسین احمد ساتویں جماعت کے طالب علم ہیں۔ ان سے چھوٹے صدیق احمد چھٹی جماعت میں پڑھ رہے ہیں۔ اور سب سے چھوٹے خلیل احمد ہیں۔

نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں امتحان میں تعلیمی امور میں نہایت ضبط رکھنے کے باوجود طلبہ میں نہایت بے تکلف، اور نہایت ہر دلعزیز ہیں۔ رہن سہن اور طلبہ کے ساتھ معاشرت میں کوئی امتیازی نشان نہیں۔ دو سال قبل فریضۂ حج کی سعادت بھی حاصل کر چکے ہیں۔

★ حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ

ولادت ونام ونسب | آپ ایک بہت بڑے علمی خاندان کے چشم وچراغ ہیں نسباً پٹھان ہیں۔ آپ

بروز جمعۃ المبارک عید الفطر ۱۳۴۴ھ میں پیدا ہوئے، آپ زروبی تحصیل صوابی ضلع مردان کے رہنے والے ہیں۔ آپ کے آباء و اجداد اپنے وقت کے بہت بڑے عالم و فاضل ہو گذرے ہیں۔ سلسلۂ نسب کی چند کڑیاں ملاحظہ ہوں۔

مولانا مفتی محمد فرید بن حضرۃ العلامہ حبیب اللہ بن حضرۃ العلامہ امان اللہ بن مولانا ملا امیر بن مولانا عبد اللہ صاحب - الخ

ابتدائی تعلیم | آپ نے از ابتداء تا انتہا تمام علوم و فنون کی کتابیں اپنے والد صاحب سے پڑھی ہیں۔

اعلیٰ تعلیم | البتہ دورۂ حدیث آپ نے حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتوی سے پڑھا اور ۱۳۷۱ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ آپ کو حضرت مولانا عبد الحق صاحب شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ نے بھی اجازت حدیث عطا فرمائی ہے۔

تدریسی خدمات | فراغت کے بعد آپ نے کچھ عرصہ اپنے گاؤں میں تدریس کی، پھر جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں تشریف لے آئے اور دس سال تک اعلیٰ کتابیں پڑھانے کے ساتھ فتویٰ نویسی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ پھر دار العلوم اسلامیہ چارسدہ میں تین سال تک کتب فنون کے علاوہ مسلم اور ابوداؤد پڑھاتے رہے۔ اور افتاء کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

دار العلوم حقانیہ میں | ۱۹۶۶ء میں دار العلوم حقانیہ نے آپکی خدمات حاصل کر لیں۔ اور اب تک مختلف علوم و فنون کی کتابیں زیر درس ہیں۔ آجکل ابوداؤد اور بخاری جلد ۱ کے کچھ آخری حصے بھی پڑھا رہے ہیں۔ آپ دار العلوم حقانیہ کے مفتی ہیں، مختلف مسائل پر آپ کے فتاویٰ آپ کی علمی اور فقہی استعداد کا مظہر ہیں، دار العلوم حقانیہ کے ارگن "الحق" میں آپ کے کچھ علمی اور تحقیقی مضامین بھی شائع ہوئے ہیں۔

صوفیانہ مسلک | آپ حضرت مولانا عبد المالک صاحب سے بیعت ہیں اور ان کی طرف سے تین سلسلوں (چشتی، قادری، نقشبندی) میں مجاز بیعت بھی ہیں۔ اور ان سلسلوں کی آپ باقاعدہ تعلیم بھی دیتے ہیں۔ طبیعت پر تصوف اور ارشاد و سلوک کا رنگ غالب ہے۔ اس کے ساتھ تواضع اور بے تکلفی بے حد ہے۔

سیاسی مسلک | جمعیۃ علمائے اسلام سے وابستہ ہیں۔

اولاد | آپ کے دو فرزند ہیں، بڑے حافظ رشید احمد صاحب ہیں جو دار العلوم حقانیہ میں درس نظامی کی کتابیں پڑھ رہے ہیں، ان سے چھوٹے حسین احمد ہیں جو آٹھویں جماعت میں پڑھ رہے ہیں۔

(باقی آئندہ)

"چاڈ" کے مسلمانوں کا ماضی و حال

جناب اختر راہی ۔ ایم ۔ اے

جغرافیائی پس منظر | چاڈ کے شمال میں لیبیا، جنوب میں وسطی افریقہ، مشرق میں سوڈان اور مغرب میں کیمرون نائیجیریا اور نائیجر واقع ہیں۔ یعنی چاڈ کی سرحدیں چھ آزاد ملکوں سے ملتی ہیں۔ ملک کا کل رقبہ نو سے ہزار آٹھ سو مربع میل اور آبادی ۳۲ لاکھ ہے۔ پچاسی فیصد مسلمان، پانچ فیصد عیسائی اور باقی دس فیصد آبادی بت پرست ہے۔ چاڈ میں جو قبائل آباد ہیں وہ عربی اور نیگرو نسل سے ہیں۔ عرب قبائل کی اکثریت مسلمان اور نیگرو نسل کی زیادہ تعداد عیسائی یا بت پرست ہے۔ اس وسیع ملک کو جغرافیائی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جنوب مغربی علاقہ زیادہ زرخیز اور نسبتاً گنجان آباد ہے۔ شمالی علاقہ صحرا ہے۔ مسلمان زیادہ تر اسی علاقے میں آباد ہیں اور کوئی پچاس ہزار خانہ بدوش بھی اپنے ریوڑوں کے ساتھ گھومتے پھرتے ہیں۔ مغربی سرحد کے قریب دس ہزار مربع میل پر پھیلی ہوئی براعظم افریقہ کی سب سے بڑی جھیل ہے جس کے نام پر ملک کا نام "چاڈ" ہے۔

چاڈ کو دورِ قدیم سے مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ مشرقی ملکوں سے براعظم افریقہ کی تجارت اسی راستے سے ہوتی تھی۔ جھیل چاڈ کے کنارے لاکھوں کروڑوں کاروان اترے اور صدیوں سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ تاریخ میں اس خطہ کی کئی مشہور حکومتوں کا ذکر پایا جاتا ہے۔

طلوعِ اسلام | مکہ کی سرزمین سے ایمان و ہدایت کی جو روشنی پھوٹی۔ ڈیڑھ صدی کے اندر اندر اسکی کرنیں چہار دانگ عالم میں پھیل گئیں۔ چاڈ بھی ان کرنوں سے جگمگا اٹھا۔ یہاں کوئی اسلامی لشکر حملہ آور نہ ہوا بلکہ اسلام نے اپنی اخلاقی پاکیزگی اور روحانی طمانیتِ قلب سے عوام کی زندگیوں میں انقلاب برپا کیا۔ ۱۱۹۴ء میں چاڈ کا نیگرو قبیلہ "اَمَم" حکمران تھا۔ ایک مقامی مسلمان

سرداران نے اس پر فتح پائی اور یہی خاندان بورنو سلطنت کا بانی تھا۔ سولہویں صدی میں جھیل چاڈ کے علاقہ پر مسلمان قابض ہو چکے تھے اور مسلمانوں کی مضبوط حکومت قائم ہو چکی تھی۔ انیسویں صدی کے اواخر تک۔۔۔ اسلامی دور رہا اور تبلیغ سے حلقۂ اسلام وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا۔

فرانسیسیوں کی آمد | انیسویں صدی کے اواخر میں یورپ کی استعماری طاقتیں "تاریک براعظم" میں اپنے ناپاک قدم جما چکی تھیں۔ مشرقی افریقہ کے ساحلی علاقہ پر قابض ہونے کے بعد فرانسیسیوں نے جھیل چاڈ کے خوبصورت اور زرخیز علاقے کو نگاہِ حرص و آز سے دیکھنا شروع کیا۔ اس وقت چاڈ میں مسلمانوں کی چار چھوٹی چھوٹی حکومتیں ربیع زبیری کے ماتحت تھیں جو مہدی سوڈانی کا پرجوش عقیدت مند تھا۔ ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۷ء کے دوران فرانسیسیوں نے مسلمان حکمرانوں سے دوستانہ معاہدے کیلئے کاغذی گھوڑے دوڑائے مگر ربیع زبیری ان کی استعماری چالوں کو سمجھتا تھا کہ یہ لوگ مہذب بن کر ملک میں گھستے ہیں۔ اور قدم جمانے کے بعد مقامی آبادی کو تختۂ ظلم وستم بنا لیتے ہیں۔ فرانسیسیوں کی ڈپلومیسی ناکام ہوئی تو وہ ایک بھاری لشکر کے ساتھ چاڈ پر چڑھ دوڑے۔ ربیع زبیری کا عقیدہ تھا کہ غلامی کی زندگی سے آزادی کی موت بدرجہا بہتر ہے۔ اسی جذبے سے فرانسیسیوں کے مقابلے کے لئے آگے بڑھا۔ اور جولائی ۱۸۹۹ء کو غنیم کو شکست فاش دی۔ فرانس کی حکومت غم وغصہ سے پاگل ہوگئی اور اس مجاہد کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دینے کی خاطر اگلے سال دوبارہ حملہ کیا۔ ربیع کے سرفروش ساتھی آخر دم تک لڑتے رہے۔ مقامی عیسائی آبادی فرانسیسیوں کا ہراول دستہ بن گئی۔ آخر ربیع کو شکست ہوگئی مگر جامِ شہادت نوش کرتے کرتے فرانسیسی جنرل لیمی کو موت کے گھاٹ اتار کر ہمیشہ کے لئے اپنا نام زندہ کر دیا۔ ربیع شہید کا کردار میسور کے سلطان حیدر علی سے ملتا جلتا ہے اور اس کے بیٹے فضل اللہ کا طرزِ عمل سلطان ٹیپو شہید کی تصویر ہے۔ فضل اللہ نے بچی کھچی طاقت مجتمع کی اور دوبارہ دارالحکومت پر حملہ کر دیا۔ ایمان سے سرشار اور کفن بکف مجاہدین کے سامنے فرانسیسیوں کی پیش نہ گئی اور دارالحکومت پر اسلامی جھنڈا لہرانے لگا۔ فرانسیسیوں نے دوبارہ قبضہ کے لئے بے پناہ جانی ومالی نقصان برداشت کیا۔ آخر فرانسیسی فوجیں کامیاب ہوگئیں مگر ۱۹۱۲ء تک فضل اللہ کے ساتھیوں نے انہیں آرام نہ کرنے دیا۔ ۱۹۱۳ء میں پہلا کمشنر جنرل مقرر کر کے فرانس نے چاڈ کو نوآبادی بنا لیا۔ اور اپنے استعماری پنجے چاڈ کے مسلمانوں کے سینوں میں گاڑھ دیئے۔

جدوجہد آزادی | دوسری جنگ عظیم نے یورپ کی استعماری طاقتوں کی چولیں ہلا دیں۔ نوآبادیوں

میں سیاسی شعور اور حقوق کا احساس بیدار ہوا۔ بظاہر آزادی و جمہوریت کی جنگ لڑنے والوں کے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ مزید تشدد اور دباؤ استعمال کیا جائے۔ چاڈ کے عوام کو سیاسی پلیٹ فارم پر مجتمع ہونے کا حق دے دیا گیا۔ اگرچہ فرانس کی کوشش یہی رہی کہ ایسی جماعتیں وجود میں آئیں جو اس کے مفادات کی نگران و محافظ ہوں۔ "جماعت ترقی چاڈ" کی صورت میں فرانس کو اپنا مقصد پورا ہوتا دکھائی دینے لگا۔ اس جماعت میں عیسائی آبادی اور استعمار پرست گروہ شامل ہیں۔ عوام کی اکثریت "ترقی چاڈ" کی ملک دشمن پالیسیوں سے تنگ آ کر محمد ابا کی قیادت میں "چاڈ کی جماعت اتحاد قومی" کے پلیٹ فارم پر جمع ہوگئی۔ دونوں جماعتیں حقوق کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ ۱۹۵۹ء میں ان دونوں جماعتوں کی حیثیت قبل از تقسیم ہند مسلم لیگ اور کانگریس جیسی تھی۔

حکومت فرانس نے نوشتہ دیوار پڑھ لیا تھا۔ اور چاڈ سے بوریا بستر سمیٹ کر ایسی حکومت قائم کرنا چاہتی تھی جو اس کے جانے کے بعد بھی اس کے مفادات کی محافظ رہے۔ چنانچہ فرانس نے ۱۹۶۰ء میں "ترقی چاڈ" کے راہنما "ٹومبل بائے" کو حکومت سونپ دی۔ فرانس کا یہ عمل جمہوری اور انصاف کے اصولوں کے خلاف تھا۔ اقتدار کے انتقال سے بیشتر عام انتخابات ضروری تھے۔ اور ان انتخابات میں کامیاب ہونے والی جماعت اقتدار حاصل کرنے کی حقدار تھی مگر ایسا اس لئے نہ کیا گیا کہ ٹومبل بائے کی جماعت ہرگز عوام کی تائید حاصل نہیں کر سکتی تھی۔

اا راگست ۱۹۶۰ء کو نام نہاد آزادی کا اعلان ہوا۔ ملک کی جملہ سیاسی جماعتوں نے فرانس کے انتقال اقتدار کے طریقے پر اعتراض کیا۔ ان کے ساتھ "ٹومبل بائے" کے نامزد کردہ ارکان پارلیمنٹ بھی برابر کے شریک تھے۔ ٹومبل بائے کی تمام مخالف سیاسی جماعتوں کو خلاف قانون قرار دیکر آمریت قائم کر لی۔ اس کے بعد انتخابات کا ڈھونگ رچایا۔

موجودہ سیاسی حالات | ٹومبل بائے کی حکومت نے پے در پے ایسے اقدامات کئے۔ جن سے مسلمانوں میں اس کے خلاف نفرت پھیلتی گئی۔ ۲۶ر مارچ ۱۹۶۳ء کو اسمبلی توڑ کر ہنگامی حالات کا اعلان کیا گیا۔ ملک میں بدامنی پھیل گئی۔ دار الحکومت میں حکومت کے خلاف مظاہرے ہوئے جن میں سینکڑوں افراد مارے گئے۔ دیہات میں کسانوں نے بھی انتظامیہ کی مزاحمت کی اور تصادم کے واقعات رونما ہوئے۔ ۱۹۶۵ء میں حکومت کے خلاف مسلح تصادم کا آغاز ہو گیا جسکی قیادت فلوریانا (FLORIANA) نئی تنظیم کر رہی ہے۔

جب سے ٹومبل بائے کی حکومت کے خلاف آزادی کی تحریک چل رہی ہے۔ فرانس

حکومت چاڈ کی مسلسل فوجی مدد کر رہا ہے۔ اس وقت بھی وہاں چار ہزار فرانسیسی فوج متعین ہے۔ ایک برطانوی صحافی جان بونر (JOHN BONER) فرانسیسی فوج کے "کارہائے نمایاں" پر روشنی ڈالتا ہے۔

"قبائلی قتل کئے جا رہے ہیں، دیہات اور فصلیں جلائی جا رہی ہیں، فرانسیسی فوجیں ہزاروں آدمیوں کو ان کے گھروں سے نکال کر پناہ گزینوں میں تبدیل کر چکی ہے۔ اب تک کئی لاکھ باشندے ملک چھوڑ کر سرحد پار پناہ لے چکے ہیں۔"

"فلوریانا" کے بہم کردہ اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۶۸ء تک ٹومبل بائے کے ظالمانہ عہد اقتدار میں ایک لاکھ ستاسی ہزار افراد ہمسایہ ملکوں میں پناہ گزیں ہو چکے ہیں۔ وہ پانچ لاکھ مہاجرین الگ ہیں۔ جو فرانسیسی اقتدار کے زمانے ہی سے سوڈان میں زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں۔

ٹومبل بائے کی کٹھ پتلی حکومت کے مظالم کی ایک جھلک فرانس کے ایک سابق فوجی کے مراسلے سے ہوتی ہے، جو ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو روزنامہ "لی ناول آبزرویٹر" میں شائع ہوا:

"میں حال ہی میں فوج سے ریٹائر ہوا ہوں۔ چند ماہ ہوئے ہسپتال میں تھا۔ میرے ساتھ دو فوجی اور بھی تھے۔ ایک باضابطہ سپاہی اور دوسرا رضاکار۔ وہ بھی چاڈ سے آئے تھے۔ میں نے جو کچھ چاڈ میں دیکھا بیان کر رہا ہوں۔ تاکہ آپ کو حقیقی صورت حال کا علم ہو سکے۔ اوّل یہ کہ چاڈ میں کوئی قیدی نہیں۔ جو لوگ پکڑے جاتے ہیں وہ موقع پر ہی قتل کر دئیے جاتے ہیں۔ یہی انجام زخمیوں کا ہوتا ہے۔ مجھ سے لوگوں نے کہا کہ جونہی ہم فرانسیسی سپاہی کسی "غیر باغی" گاؤں سے گذر جاتے ہیں اُسے فوراً "باغی" قرار دے دیا جاتا ہے۔ مجھے خوب یاد ہے جب ہم تفریح کے موڈ میں ہوتے تو کسی باغی کو ہیلی کاپٹر سے نیچے زمین پر گرا دیتے۔ ان گرفتار شدہ باغیوں کے پیٹ میں سنگین گھونپنے کا نظارہ بڑا ہی خوش کن ہوتا۔ ہر طرف غل غپاڑہ ہوتا۔ ہمارے ڈاکٹر زخمیوں کا علاج اس طرح کرتے کہ ان کے چہرے پر جوتے لگاتے اگر کسی باغی پر شبہ ہوتا کہ باغی چھپا ہوا ہے تو بچوں کو چھوڑ کر باقی ساری آبادی سزا دینے کے لئے باہر لے آتے ——— دوسری بات یہ ہے مجھے ہمیشہ افسوس رہا کہ میں باغیوں کو بڑی تعداد میں ہلاک نہ کر سکا۔ وہ لوگ بے حد ضدی ہیں۔ ہم انہیں سخت عذاب دیتے، لیکن وہ زبان سے ایک لفظ تک نہ نکالتے ان کی عورتوں کی عصمت دری کے واقعات پھر کبھی بتاؤں گا ..." (ترجمہ۔ بی۔ ایس)

ٹومبل بائے کے جرائم اور ان کے اثرات | ۱۔ ٹومبل بائے نے اسرائیل کا سرکاری دورہ کیا اور

باقی صفحہ ۲۹ پر

ایک تجزیہ — مرتبہ: سلیم الحنفی

دنیا کی مرزائی آبادی

مرزا ناصر احمد کے دعوے کا ایک جائزہ

ربوہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے پوتے مرزا ناصر احمد نے دسمبر ۱۹۷۲ء کے سالانہ قادیانی اجلاس میں دعویٰ کیا ہے کہ دنیا میں احمدیوں کی آبادی ایک کروڑ ہو گئی ہے۔ مرزائیوں کا یہ دعویٰ کہاں تک صداقت پر مبنی ہے۔ آئیے ہم اسکا تجزیہ کریں۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے ۱۹۰۸ء میں اپنی موت سے کچھ روز پیشتر یہ دعویٰ کیا تھا کہ مرزائیوں کی تعداد اسوقت پانچ لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ لیکن ۱۹۱۱ء میں جب مردم شماری ہوئی، تو برطانوی ہند کی بیس کروڑ کی آبادی میں سے احمدی صرف ۱۸۶۹۵ شمار کئے گئے ساٹھ سال کے بعد ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق ہندو پاکستان کی آبادی میں تقریباً ساڑھے تین گنا اضافہ ہوا، اگر ہم قادیانیوں کی ۱۹۱۱ء کی آبادی ۱۹۷۲ء میں پانچ گنا بھی تصور کریں، تو تعداد مشکل سے ایک لاکھ بنتی ہے۔ اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ ساٹھ سال کے عرصہ میں ہر روز پانچ افراد نے قادیانی مذہب اختیار کیا ہوگا۔ تو ۳۶۵ دن فی سال کے حساب سے ساٹھ سال کے تقریباً ۲۲۰۰۰ دن بنتے ہیں۔ اور پانچ سے ضرب دینے پر مزید ایک لاکھ کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

اگر ہم ان نئے قادیانیوں کی بھی اضافہ آبادی کو مدنظر رکھتے ہوئے چار گنا بڑھا دیں تو چار لاکھ تعداد بنتی ہے۔ اور پرانے ایک لاکھ قادیانیوں کو ملا کر کل تعداد پانچ لاکھ سے زیادہ نہیں بنتی۔

مرزائیوں کے ہفتہ وار اخبار "الفضل" کے مطالعہ سے بھی قادیانی آبادی کا اندازہ ہوتا ہے۔ الفضل پر ہفتہ ربوہ کے نام مختلف قادیانی افراد کی وقف املاک کا نمبر شمار شائع کرتا ہے، جو ابھی ۲۰۰۰۰ اور ۲۱۰۰۰ ہزار کے درمیان ہے۔ یعنی ابھی تک ان چند ہزار قادیانیوں نے ہی اپنی املاک کا کچھ حصہ ربوہ کے نام وقف کیا ہے۔ اگر مرزائی آبادی ایک کروڑ ہوتی۔ تو وقف املاک کا نمبر شمار ۲۱۰۰۰ سے

کہیں زیادہ ہوتا کیونکہ قادیانی مذہب میں آمدنی کا ایک معلیہ حصہ ربوہ کو ادا کرنا فرض ہے۔ ۲۱۰۰۰ کو اگر چوبیس ۲۴ سے ضرب دی جائے تو پانچ لاکھ کے قریب تعداد بنتی ہے۔

ہندو پاکستان کے بعد قادیانی آبادی سب سے زیادہ مغربی افریقہ میں ہے۔ جہاں ایک انگریز محقق مسٹر اربری (ARBERRY) نے گھانا (GHANA) میں ان کی تعداد ۲۵۰۰۰ نائجیریا میں سات ہزار اور سیرالیون میں ۳۰۰۰ بتاتی ہے۔ اور دیگر ممالک میں تو تعداد اس سے بھی کم ہے دیکھئے ——— RELIGION IN THE MIDDLE EAST BY A. J. ARBERRY

گذشتہ سال "الفضل" کے مطابق ربوہ کا سالانہ بجٹ تقریباً پونے دو کروڑ روپیہ کا تھا۔ کیونکہ قادیانی عموماً سرمایہ دار اور بڑے افسر ہوتے ہیں لہذا اگر ۲۰۰۰۰ افراد نے بھی ایک ہزار روپیہ سالانہ چندہ دیا ہو تو دو کروڑ کی رقم بنتی ہے۔ اگر ہم بیس روپیہ ماہوار کے حساب سے سالانہ ۲۴۰ روپیہ فی قادیانی چندہ لگائیں تو پھر بھی تعداد دو کروڑ روپیہ کے حساب سے ۸۰۰۰۰ قادیانی بنتی ہے۔ فی خاندان پانچ افراد بھی لگائے جائیں۔ تو قادیانی آبادی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

قادیانی مذہب اصل میں زیادہ تر سرمایہ دار، نوکر شاہی، امراء اور بڑے زمینداروں کے خاندانوں میں ملتا ہے، غریب طبقہ جو پچانوے فیصد آبادی پر مشتمل ہے، اس میں قادیانی نسبتاً بہت ہی کم ہیں۔ اور ربوہ کی بھی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ مرتد بڑے افسروں اور سرمایہ داروں کو کریں۔ تاکہ ان کی آمدنی میں اضافہ ہو۔ کیونکہ غریب عوام اپنا پیٹ کاٹ کر ربوہ کا پیٹ نہیں بھر سکتے۔

ایک معتبر بین الاقوامی ذریعہ کے مطابق بھی دنیا میں قادیانی پانچ لاکھ سے زیادہ نہیں، مرزا ناصر محمد قادیانیوں کی تعداد بیس پچیس گنا زیادہ دکھا کر اپنے دادا کی تقلید کرتے ہیں۔ تاکہ اس غلط پروپیگنڈے سے مسلمانوں کے دلوں میں ہیبت طاری کر سکیں۔ اور قادیانی مرتدوں کے دل میں رعب اور پھر پاکستان میں قادیانی اکثریت جتلا کر حکومت پر قبضہ کر سکیں ———

بقیہ: علمی زندگی۔

اور عملی میدان میں حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب اعلی اللہ درجاتہم دائما ابدا کی چند روزہ صحبت اکسیر صنعت کا نوشہ چینی ہے، جنکی شان عالی میں بس اتنے ہی لکھنے پر قلم کو روکتا ہوں:

ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے	چہ کنم کہ چشم یک بیں نکند بہ کس نگاہے
آفاقہا گردیدم مہر بتاں ورزیدم	بسیار خوباں دیدم لیکن تو چیزے دیگری

باقی سوالات کے جواب لکھنے سے مجبور محض ہوں۔

مسلمان کی تعریف

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن۔ ایڈوکیٹ۔ کراچی

الحق کی گذشتہ چند اشاعتوں میں آپ نے قومی اسمبلی کی کارروائیوں سے متعلق جو اطلاعات شائع کی ہیں، وہ خاصی اہم ہیں، میرا خیال ہے کہ اس طرف مزید توجہ کی ضرورت ہے۔ کوشش کر کے اطلاعات حاصل کی جائیں اور تبصرہ کیساتھ شائع کی جائیں۔ اس سے دو فائدے متصور ہیں، ایک تو یہ کہ قارئین کو بہت سی ان باتوں کا علم ہو جائے گا جو انہیں دیگر اخبارات و رسائل کے ذریعہ معلوم نہیں ہوتیں۔ دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ علماء کی اسمبلیوں میں ضرورت کا یہ احساس بڑھے گا کہ علماء اسمبلی کا رکن بن کر دینی اقدار کی حفاظت کے زیادہ اہل ہو سکتے ہیں۔

آپ کی سابقہ اشاعتوں میں "مسلمان کی تعریف" کے متعلق نگارشات بھی مطالعہ میں آئیں۔ اس تعریف کے سلسلہ میں چند سطور پیش خدمت ہیں۔ مناسب خیال فرمادیں تو شائع فرمادیں ——

تنزیل الرحمٰن

★

امیر کاتب بن امیر العمید الفارابی الاتقانیؒ ملقب بہ ابو حنیفہ ثانی نے شرح اصول البزدوی (مخطوط) میں فخر الاسلام علامہ بزدوی کے حوالے سے لکھا ہے کہ مسلمان کی تین انواع ہیں :۔

۱۔ ظاہری مسلمان ۲۔ حکمی مسلمان ۳۔ حقیقی مسلمان

۱۔ وہ شخص ظاہری مسلمان ہے جس کی زبان پر کلمہ اسلام اشہد ان لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ جاری ہے، اور جو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مل کر نماز پڑھتا ہے۔ اس سے قطع نظر ہو کہ اعتقاد کی حقیقت سے واقفیت ہو۔

۲۔ وہ شخص حکمی مسلمان ہے جو اپنے مسلمان والدین کی تبعیت میں ہونے کی وجہ سے مسلمان قرار پائے۔ بلا لحاظ اس امر کے کہ اس شخص کی زبان پر کلمۂ اسلام لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کا اقرار پایا جاتے۔

۳۔ وہ شخص حقیقی ہے جس نے اللہ کی ذات کو اس کی تمام تر صفات کے ساتھ جیسی کہ ان کی حقیقت ہے، جان لیا ہو اور رسل و انبیاء کو جیسی کہ انکی حقیقت ہے جان لیا ہو اور ارکان اسلام کو جیسی کہ ان کی حقیقت ہے جان لیا ہو، جن میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اللہ تعالیٰ کی جانب سے خیر و شر کا ہونا اور تمام ارکان اسلام کا اعتقاد شامل ہے۔

مندرجہ بالا تعریفات سے بآسانی یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ شہادت مسلم کے اعتبار سے ہر مسلمان خواہ وہ ظاہری ہو یا حکمی، اس وقت تک مسلمان قرار پائے گا، جب تک کہ اس کا حقیقی مسلمان نہ ہونا ثابت ہو جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ سے ایمان و اسلام سے متعلق جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ایمان نام ہے پانچ عقائد کا۔ ۱۔ ایمان باللہ ۲۔ ایمان بالرسل ۳۔ ایمان بالملائکہ ۔ ۴۔ ایمان بالغیب ۔ ۵۔ ایمان بالآخرہ۔ اور اسلام نام ہے پانچ ارکان کا ۱۔ شہادتین ۲۔ نماز ۳۔ زکوٰۃ ۴۔ روزۂ رمضان اور ۵۔ حج۔ چنانچہ ہر وہ شخص جو ان عقائد و ارکان کا معتقد اور اقراری ہو، مسلمان کہلائے گا، البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ اعتقاد اور اقرار اس حقیقت کے مطابق ہو جو کتاب اللہ اور سنت رسول سے "ظاہر" ہو۔

مندرجات بالا کی روشنی میں مسلمان کی تعریف اسطرح کی جا سکتی ہے کہ حقیقی معنی میں مسلمان وہ شخص ہے جو اللہ کی ذات و صفات، ملائکہ کے وجود، کتب سماویہ، رسولوں اور آخرت پر قرآن کے ظاہری الفاظ اور آنحضرت کے ارشادات کے مطابق ایمان رکھتا ہو۔

نیز اس اعتقاد کے ساتھ یہ اقرار کرتا ہو کہ اللہ ایک ہے ۔ اس کے سوا دوسرا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے آخری رسول ہیں جن پر سلسلۂ وحی ختم ہو چکا۔

نیز عملاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، روزۂ رمضان اور حج بیت اللہ کا قائل ہو، اور یہ باور کرتا ہو کہ حضرت محمدؐ نے قرآن مجید اور اپنی سیرت طیبہ کے ذریعہ جو نظام ہدایت پیش کیا ہے وہ کُل کا کُل صحیح اور آخری طور پہ سچا ہے۔

جسٹس سر امیر علی کی کتاب جامع الاحکام فی فقہ الاسلام میں مسلمان کی تعریف بہ ایں الفاظ کی گئی ہے کہ

لہ صرف جاننا نہیں بلکہ باتفاق امت ماننا بھی شرط ہے۔ اس لئے یہاں جاننے کے ساتھ ماننے کا مفہوم بھی لازماً ملحوظ رکھا جائے گا۔ "س"

ہر وہ شخص جو خدا کی وحدانیت اور حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کی رسالت کا اقرار کرتا ہو مسلمان ہے۔ یہ تعریف ہند و پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کے متعدد فیصلوں میں پسند کی گئی ہے۔ چنانچہ عدالت عالیہ سندھ و بلوچستان کے جج مسٹر جسٹس امداد علی آغا نے بھی ایک حالیہ مقدمہ مسز عائشہ قریشی بنام حشمت اللہ میں (مندرجہ پی۔ ایل۔ ڈی۔ کراچی شمارہ دسمبر ۱۹۷۲ء صفحہ ۷۶۵) لکھا کہ "مسلمان ہو جانے کے لئے اسلام کی تمام مستند کتابیں اس پر متفق ہیں کہ اگر ایک شخص اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا رسول ہونا مانتا ہے اور خود کو مسلمان کہتا ہے تو وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ مسلمان کی یہی تعریف ۱۹۵۹ء میں جج عدالت عالیہ مغربی پاکستان جناب جسٹس محمود صاحب نے بمقدمہ عطیہ وارث بنام سلطان احمد خان۔ (مندرجہ پی۔ ایل۔ ڈی۔ ۱۹۵۹ء لاہور صفحہ ۲۰۵ بر صفحہ ۲۰۹) کی تھی ۔ [1]

اگرچہ اصولی طور پر یہ تعریف صحیح ہے۔ لیکن یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ محمدؐ کی رسالت کے اقرار کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ اسلام کی اُن تمام مسلمہ اور بدیہی صداقتوں کا اعتراف و اقرار کیا جائے جو قرآن پاک اور سنت متواترہ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں اور جن پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

ہمارے فقہاء دین کی ان مسلمہ بدیہی صداقتوں کے لئے "ضروریات دین" کی اصطلاح استعمال کی ہے جن کا مصداق اسلام کے وہ تمام یقینی اور بدیہی عقائد، عبادات اور احکام ہیں جن سے اسلام عبارت ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو " اکفار الملحدین " حضرت العلامہ السید انور علی شاہ الکشمیریؒ) تقریباً آٹھ سال قبل احقر نے اپنی کتاب "مجموعۂ قوانین اسلام" جلد ۱ مطبوعہ ۱۹۶۵ء میں مسلمان کی تعریف بایں الفاظ کی تھی کہ :

دفعہ ۳ جو شخص خدا کو ایک اور حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کو اس کا آخری نبی مانتا ہو اور خود کو مسلمان کہتا ہو، مسلمان ہے۔

آنحضرتؐ کی رسالت کو ماننے کا حکم ہی ماجاءبہ فھو حق (کہ جو کچھ آنحضرتؐ لیکر آئے وہ سب حق ہے۔) ہے۔ فی زماننا ہر مسلمان کے ذہن میں یہ امر محفوظ ہو چکا ہے کہ رسول اللہؐ کی رسالت پر ایمان لانا ہی آپ کے لائے ہوئے تمام دین مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جزا و سزا، قیامت

---

[1] اسکی تشریح اور اضافہ کے طور پر ہم ان تمام عدالتوں کا فیصلہ بھی پیش کر سکتے ہیں جنہوں نے مرزائیوں کو مرتد اور خارج از اسلام قرار دیکر محمد الرسول اللہ کو نہ صرف رسول بلکہ آخری رسول ماننے کو اسلام کی شرط قرار دیا ہے ـــــ س

حساب و کتاب، ملائکہ، انبیاء سابقین و کتب سابقہ وغیرہ پر ایمان لانا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت پر میرے محترم دوست ماہر القادری صاحب نے مشورہ دیا کہ "مسلمان کی تعریف میں "آخری نبی" کے بعد یہ اضافہ کیا جائے کہ حضور کے بعد کسی قسم کی نبوت کا بھی قائل نہ ہو۔" یہ اضافہ جس پس منظر کو لئے ہوئے ہے، اس سے ہم سب واقف ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ واقعات، زمانہ اور اختلاف مواقع کے اعتبار سے کلام کے طرز اور تعریف میں اختصار یا طوالت اختیار کرنا پڑتی ہے، لیکن یہ خیال بھی رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ تعریف طرداً و عکساً جامع و مانع ہو۔ کوئی جزو اصلی تعریف سے باہر نہ رہ جائے اور کوئی جزو غیر تعریف میں داخل نہ ہو جائے۔ مزید غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمان کی تعریف حسب ذیل ہونی چاہئے۔

"ہر وہ شخص مسلمان ہے جو خدا کو ایک اور آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانتا ہو۔ اور "ضروریات دین" کو جو اجماع سے ثابت ہیں، دل سے مانتا ہو۔ اور ان کی پابندی کا زبان سے اقرار کرتا ہو۔"

بقیہ: چاڈ کے مسلمان

یہودیوں کے ساتھ ثقافتی، تجارتی اور سفارتی تعلقات استوار کئے۔ اسرائیلی سفیر چاڈ پہنچا تو قاضی القضاۃ اور بعض مسلمان وزراء نے احتجاج کیا جس کی سزا میں یہ لوگ قید و بند میں ڈال دئیے گئے یا جلا وطن کر دئیے گئے۔ اسرائیل کا اثر رسوخ روز بروز بڑھ رہا ہے۔ اسرائیل نے چاڈ میں فوجی کیمپ قائم کر رکھے ہیں۔ اسرائیل کے پنجے چاڈ میں اتنے گہرے ہیں کہ چاڈ نے اقوام متحدہ میں عرب اسرائیل تنازعے میں ہمیشہ اسرائیل کے حق میں ووٹ دیا ہے۔ حالانکہ ملک کے پچاس فیصد مسلمانوں کے دل عرب مسلمانوں کی محبت میں دھڑکتے ہیں۔

۲۔ فرانس پس پشت رہ کر ٹومبل بائے کو استعمال کر رہا ہے۔ جنوبی علاقے کے بت پرستوں میں عیسائیت کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلائی جاتی ہے۔

۳۔ چاڈ کی حکومت امریکہ کے زیر اثر جمہوریہ وسطی افریقہ اور کنہاسا سے مل کر "وسطی افریقی حکومتوں کا وفاق" کے نام سے نئی استعماری قوت بنانا چاہتی ہے جس کے ذریعے مسلمانوں کی جدوجہد کو کچلنے کی تیاریاں ہیں۔ ۴۔ اقتصادی طور پر ملک کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ اور خاص طور پر مسلمان آبادی کے علاقوں کو معاشی طور پر پسماندہ رکھا گیا ہے۔

ٹومبل بائے کی ان پالیسیوں سے نجات پانے کے لئے مسلمانان چاڈ برسرپیکار ہیں۔ اور ان کا جرم یہی ہے۔ "الا ان یقولوا ربنا اللہ"۔

مضطر عباسی۔ (مری)

جمہوریت کیا ہے

قسط ۲

لبسا اوقات جنگ لڑنے والے سپاہیوں کو جو محکوم رعایا میں سے بھرتی کئے جاتے ہیں۔ اس امر کا علم تک نہیں ہوتا کہ وہ کیوں لڑ رہے ہیں اور کس کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ خیال فرمائیں کہ ویت نام میں عوام کا خون بہانے والے امریکی سپاہیوں کو ویت نامی عوام یا افواج سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ ویت نام سے امریکی عوام کو کبھی کسی قسم کے خطرے کا امکان نہیں، لیکن امریکی محکوم رعایا کے سپاہی ویت نامیوں کے خون کے پیاسے ہو رہے اور دن رات خود بھی قتل ہو رہے ہیں۔ مذہب، قوم، روپیہ، پیسہ یا دنیا کا کوئی دوسرا لالچ ایسا نہیں جو امریکی عوام کو وطن سے ہزاروں میل دور ویت نام میں مرنے اور مارنے پر آمادہ کر سکے۔ یہ صرف ایک فریب ہے، ایک دھوکہ اور ایک سازش ہے، جو امریکی حکمرانوں نے کی ہے۔ اور جس کا شکار ہو کر امریکی سپاہی درندگی پر اتر آئے ہیں۔

دیکھا آپ نے کہ مملکت کا دعویٰ قیام امن کا ہے اور حکومت مملکت کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہے، لیکن امر واقع یہ ہے کہ:

> "مملکت فساد کی جڑ اور عالمی جنگوں کا محرک اور سبب ہے۔ اور حکومت جو مملکت کے مقاصد کی تکمیل کرتی ہے۔ اس کا کام فساد اور لڑائیوں کو منظم کرنا اور انسانوں کو آپس میں لڑنے کے لئے تیار کرنا ہے۔"

کہا جاتا ہے کہ حکومت نہ ہو تو اندرون ملک امن قائم نہیں رہ سکتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا ویت نام میں امن ہے۔ اور اگر نہیں تو کیوں نہیں، کیا ویت نام ایک مملکت نہیں، کیا امریکہ ایک مملکت نہیں کہ ویت نام اور امریکہ کے پاس مملکت کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ یعنی حکومت نہیں۔؟ اگر یہ سب کچھ ہے اور واقعی سب کچھ ہے تو پھر۔۔۔ کہاں ہیں ثنا خوانِ تہذیب مغرب کہاں ہیں۔۔۔ جواب دیں۔ کہ ویت نام میں امن کیوں نہیں اور کیا وجہ ہے کہ امریکی محنت کشوں کی دولت بجائے امریکی عوام کی خوشحالی کے ویٹ نامیوں کی تباہی پر خرچ ہو رہی ہے۔؟ کیا اسی کا نام امن ہے اور کیا اسی امن کی خاطر مملکت کا قیام اور پھر حکومت

کا استحکام ضروری سمجھا گیا تھا۔

آسماں را حق بود گر سنگ بارد بر زمین

جمہوریت کیوں | آئیے اب جمہوریت پسندوں کے ان دعاوی کا جائزہ لیں جن میں جمہوریت کی تعریف اور توصیف کی گئی ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ شخصی حکومتوں میں یہ خرابی ضرور ہوتی ہے کہ عوام محکوم رعایا ہوتے ہیں، اور فرد واحد یا اس کی جماعت ان پر حکومت کرتی ہے۔ اور یہ بات انصاف کے تقاضوں سے بعید ہے کہ عوام جو حکومت کے مصارف برداشت کرتے اور حکومت کی خاطر سرحدوں پر اور سرحدوں سے باہر جا نیں لڑاتے ہیں انہیں حکومت میں شریک نہ کیا جائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حکومت کی کوئی ایسی صورت نکالی جائے جس میں عوام برابر کے شریک ہوں۔ اور یہ صورت جمہوریت کی ہے۔

روسو نے اپنی کتاب "معاہدہ عمرانی" ان الفاظ سے شروع کی ہے:

"انسان آزاد پیدا ہوا ہے مگر جدھر دیکھو وہ پا بہ زنجیر ہے۔ بہت سے لوگ اپنے آپ کو دوسروں کا مالک سمجھتے ہیں حالانکہ وہ خود ان سے بڑھ کر غلام ہیں ——" (معاہدہ عمرانی صفحہ ۴۲)

ان الفاظ میں اور پھر ساری کتاب میں روسو نے بتایا ہے کہ شخصی حکومتیں غلامی کا ایک نظام پیش کرتی ہیں۔ اور انسان اگر آزاد رہ سکتا ہے تو صرف اور صرف جمہوری حکومت ہی میں آزاد رہ سکتا ہے۔ جمہوریت کی تائید اور شخصی حکومتوں کی مخالفت کے باوجود بھی روسو اپنی اسی کتاب یعنی "معاہدہ عمرانی" میں ایک جگہ لکھتا ہے:

"میں ہر اس ریاست کو جمہوریہ کہتا ہوں جس پہ قوانین کے ذریعہ حکومت ہوتی ہے، چاہے ریاست کا طرز حکومت کچھ بھی ہو" (کتاب مذکور صفحہ ۵۵)

غالباً روسو کے اسی جملے کی تائید میں علم سیاست کے مصنفوں نے دستوری بادشاہت کو جمہوریت کا نام دے رکھا ہے۔ ورنہ امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے اس طنز کا مغربی تہذیب و ثقافت کی مدح سرائی کرنے والوں کے پاس کوئی جواب نہیں جس میں موصوف نے فرمایا ہے کہ:

"اگر یورپ جمہوریت اور آزادی کا علمبردار ہے۔ تو برطانیہ میں تاج اور تخت نام کی کیا چیزیں ہیں۔؟ اور ان کا تقدس کیوں باقی ہے۔"

ہاں! تو بات یہ تھی کہ روسو جمہوریت کا حامی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ایسی شخصی حکومتوں کو

یہی جمہوریت کا نام دیتا ہے، جو قوانین کے تابع ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ روسو اس حد تک یقیناً درست کہتا ہے کہ موجودہ دور کی جمہوری اور شخصی حکومتوں میں مقصد اور روح کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں یہی بات لینن نے اپنی کتاب "ریاست و انقلاب" میں کہی ہے۔ لینن لکھتا ہے:

"انیگلس نے ایک بار پھر اس پر زور دیا کہ صرف شاہی میں نہیں بلکہ جمہوری ریپبلک میں بھی ریاست ریاست ہی رہتی ہے۔ یعنی وہ اپنی بنیادی اور امتیازی خصوصیات رکھتی ہے۔" (کتاب مذکور ص۹۰)

گویا روسو اور لینن دونوں اس بات پر متفق ہیں، جمہوریت اور بادشاہت یعنی شخصی حکومت میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ روسو ہر اس حکومت کو جو قانون کا احترام کرتی ہے۔ جمہوریت کہ کر اسکی حمایت کرتا ہے۔ اور لینن ہر حکومت کو ایک طبقہ کی قوت، اور غلبے کا آلہ جان کر اسکی مخالفت کرتا ہے۔ روسو کی بات مان لیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ جمہوری حکومت وہ ہوتی ہے جو قانون کا احترام کرتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ دنیا میں آج تک کوئی ایک حکومت بھی قائم نہیں ہوسکی جس نے قانون کا احترام نہ کیا ہو۔ چنگیز خان کی "یاسا" اسکی حکومت کا قانون نہیں تو اور کیا تھا۔؟ اور کیا روسو یا اس کے طرفدار چنگیز کی حکومت کو جمہوری حکومت کا نام دینے کی جرأت کرسکتے ہیں۔؟ دراصل دھوکا اس بات سے لگا کہ ہمارے ذہنوں میں قانون کا مفہوم واضح نہیں تھا۔ اس لئے ضروری ہے کہ آگے بڑھنے سے پہلے قانون کے بارے میں بات چیت کرلی جائے۔

قانون انگریزی کے عظیم شاعر گولڈ سمتھ (GOLD SMITH) نے کہا ہے:

LAW GRIND THE POOR AND RICH MEN RULE THE LAW.

یعنی قانون غریب کو کچلتا ہے اور امیر قانون کے ذریعہ حکومت کرتا ہے۔ ایک دوسرے مفکر نے کہا ہے کہ:

"قانون مکڑی کا جالا ہے جس میں کمزور پھنس جاتا ہے، اور طاقت ور اسے توڑ دیتا ہے۔"

قانون کی مختلف قسمیں ہیں۔ مذہبی قانون، اخلاقی قانون۔ قدرتی قانون اور سرکاری قانون وغیرہ۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مختلف قانون کی ایک معاملہ میں جمع اور متفق ہو جاتے ہیں۔ "چوری جرم ہے" یہ ایک قانون ہے جو بیک وقت مذہبی اخلاقی اور سرکاری قانون کا درجہ رکھتا ہے، لیکن علم سیاست میں جب قانون کی بات کی جائے تو اس سے مراد صرف سرکاری قانون ہوتا ہے۔ سرکاری قانون سرکار بناتی ہے، اور اس میں عوام کے حقوق و فرائض اور حکمران طبقے کے

اختیارات کا ذکر ہوتا ہے۔ عام طور پر سرکاری قانون میں یہی کچھ ہوتا ہے کہ عوام کو زندہ رہنے اور محنت و مشقت کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ حق اس لئے دیا گیا ہے تاکہ عوام فرائض ادا کر سکیں۔ فرائض یہ ہیں کہ حکمران طبقہ کے مصارف کے لئے ٹیکس ادا کریں اور حکومت کیطرف سے جاری کئے جانے والے احکامات کی بے چون و چرا تعمیل کرتے رہیں۔ حکمرانوں کو یہ اختیارات ہیں کہ عوام سے خدمات لیں اور جب چاہیں انہیں مال و جان تک سے محروم کر دیں۔

امریکی حکمرانوں کو قانون نے یہ اختیارات دے رکھے ہیں کہ وہ امریکی عوام سے ویت نام کی جنگ کا خرچہ وصول کرتے اور ان کے نوجوانوں کو ویت نام کے جنگلوں میں لے جا کر ذبح کرتے ہیں۔

روسو قانون کی حکومت کا احترام کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ قانون عوام کی خواہشات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اور اس طرح جب عوام قانون کے مطابق چلنے والی حکومت کی تابعداری کرتے ہیں تو در اصل وہ اپنے ہی ارادوں کی تکمیل کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہر کوئی جانتا ہے کہ قانون عوام کی خواہشات کا آئینہ دار نہیں ہوتا بلکہ قانون ساز فرد یا ادارے کی مرضی اور رجحانات کا مظہر ہوتا ہے۔ اگر کسی موقع پر ایسا نظر آئے کہ قانون کا جو تقاضا ہے، وہی عوام کی مرضی ہے تو یہ محض اتفاق ہوگا جسطرح یہ اتفاق کی بات ہے کہ "چوری جرم ہے" کا قانون، مذہب، اخلاق اور حکومت تینوں کے ہاں ہر جگہ مسلّم ہے۔ حکومت، عدالت، پولیس اور عقوبت جانے چوری کے بارے میں قانون کی حفاظت اس لئے نہیں کرتے کہ یہ مذہب یا اخلاق کا قانون ہے بلکہ اس لئے کرتے ہیں کہ یہ سرکار اور حکومت کا قانون ہے۔ اسی طرح اگر عوام کسی ایسے دشمن کے خلاف لڑنے کیلئے حکومت کو مال اور جان پیش کرتے ہیں جس نے واقعی ان عوام کو نقصان پہنچایا ہوتا ہے تو یہ ایک اتفاق کی بات ہے۔ ورنہ حکومت اپنے اختیارات کے قانون ہی پر عمل کر کے عوام سے دشمن کے مقابلے کیلئے مال اور جان کا مطالبہ کرتی ہے۔

یاد رہے کہ قانون کے لئے کاغذوں پر لکھا ہوا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بس وہ بات قانون ہے، جسے قانون ساز فرد یا ادارہ کہہ دیتا ہے۔ اور جب کسی قانون ساز فرد یا ادارے کو ضرورت محسوس ہوتی ہے تو اپنی کہی ہوئی بات واپس لیکر قانون کو توڑ دیتا ہے۔ اور یہ قانون شکنی بھی ایک قانون ہی کہلاتی ہے ـــــ کل تک ہمارے ہاں ون یونٹ قانون تھا۔ آج ون یونٹ کا نہ ہونا قانون ہے۔

بادشاہت کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہاں قانون نہیں ہوتا یہ خیال غلط ہے جب

قانون کے بغیر چائے تیار نہیں کی جاسکتی تو قانون کے بغیر سکندر اعظم یا اکبر اعظم کی عظیم مملکت اور اسکی حکومت کا کاروبار کیسے چلایا جاسکتا تھا۔ بادشاہت کا قانون یہی ہے کہ بادشاہ جو کہہ دے وہ قانون ہوتا ہے۔ اور یہ بات جمہوریت میں قانون ساز ادارے پر بھی اسی طرح صادق آتی ہے۔ کہ قانون ساز ادارہ جو کہہ دے وہی قانون ہوتا ہے۔ فرق صرف فرد اور ادارے کا ہے۔ بادشاہت میں ایک فرد بات کرتا ہے، اور جمہوریت میں ایک ادارہ بات کرتا ہے۔ اگر مزید غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ فرق بھی برائے نام ہی ہے۔ ورنہ بادشاہت میں بادشاہ اپنے وزیروں اور مشیروں کے مشورے سے قانون بناتا ہے۔ اور جمہوریت میں نام نہاد عوامی نمائندے یا قانون ساز ادارے کے اراکین اپنے صدر محترم کو تجاویز پیش کرتے اور مشورے دیتے ہیں۔ بات دونوں جگہ فرد واحد کی سنی اور مانی جاتی ہے۔ اس فرد کو بادشاہ کہیں یا صدر مملکت اس سے حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ روسو تسلیم کرتا ہے کہ:

"قانون ساز ہر اعتبار سے ریاست میں ممتاز ہوتا ہے"۔ (کتاب مذکور ص ۹۱)

یعنی عوام نہ تو سب ملکر قانون بناتے ہیں اور نہ ہی سب کی رائے قانون بنایا جاتا ہے۔ قانون سازی ایک فن ہے اور جو لوگ اس فن کے ماہر ہوتے ہیں۔ وہی قانون بناتے ہیں اور یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ قانون ساز قانون بناتے وقت ذاتی خواہشات اور رجحانات سے مغلوب نہ ہوتا ہو۔ غرض قانون ساز فرد ہو یا ادارہ قانون میں قانون ساز کی خواہشات اور رجحانات کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ اور اس طرح قانون کی اطاعت قانون کی غلامی دراصل قانون ساز کی خواہشات کی اطاعت اور غلامی ہے۔

یہ کہنا کہ جمہوریت میں عوام کے نمائندے قانون سازی کرتے ہیں، اس لئے یہ قانون عوام کی خواہشات کا آئینہ دار ہوتا ہے غلط ہے۔ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ ہمارے چنے ہوئے نمائندے ہماری خواہشات ہی کے مطابق قانون بناتے ہیں تو پھر اس قانون کے نفاذ کے لئے عدالت پولیس اور عقوبت قانون کے استعمال کی کیا ضرورت ہے۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا آدمی بھی ہے، جو اپنی خواہشات کی خود ہی مخالفت کرتا ہو اور اسے طاقت کے ذریعے مجبور کیا جاتا ہو کہ وہ اپنی خواہشات کا احترام کرے۔؟ اگر ایسا نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ اگر ہمارا جمہوری قانون ہماری خواہشات ہی کا ترجمان ہے۔ تو پھر قانون کے نفاذ کے لئے طاقت کا استعمال کیوں ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کوئی صاحب یہ کہہ دیں کہ جمہوری حکومت میں قانون عوام کی خواہشات کا نہیں بلکہ

عوام کے مفادات کا آئینہ دار ہوتا ہے اور عوام کم عقلی کے باعث اپنے نفع نقصان میں تمیز نہیں کر سکتے اس لئے انہیں طاقت کے ذریعہ قانون کے احترام پر مجبور کیا جاتا ہے اگر یہ بات ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ پھر بادشاہت میں کیا برائی ہے، کیا بادشاہ عوام کے مفادات کے لئے قانون نہیں بنا سکتا۔ جب عوام میں تو یہ شعور نہیں کہ وہ اچھے برے کی تمیز کر سکیں، تو پھر بادشاہ ہی کو کیوں نہ اچھا تسلیم کر لیا جائے۔ اور اس کی کیا ضرورت ہے کہ ہر چار پانچ یا چھ سال بعد عام انتخابات کرائے جائیں ———

حقیقت یہ ہے کہ قانون جو بھی بناتا ہے۔ وہ عوام کیلئے نہیں بلکہ اپنے لئے بناتا ہے اور ایسا کرنے پر اسے برا نہیں کہا جا سکتا اپنا فائدہ ہر کسی کو عزیز ہوتا ہے۔ اور جب ہم قانون کی اطاعت کرتے ہیں تو دراصل قانون ساز کی اطاعت کر رہے ہوتے ہیں۔

یونانی جو علم سیاست کے موجد یا داعیٔ اوّل سمجھے جاتے ہیں، انہوں نے جب دیکھا کہ ایک مملکت میں بسنے والے سب شہری برابر حیثیت کے مالک ہیں تو پھر چند افراد کو یہ حق نہیں ہونا چاہئے کہ وہ عوام کے لئے قانون بنائیں وہ جانتے تھے کہ قانون کی اطاعت دراصل قانون ساز کی اطاعت ہوتی ہے اور اس طرح جو شخص قانون بنائے گا، وہ عوام سے بلند تر ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ لوگ غیر ملکیوں سے قانون بنوایا کرتے تھے۔ روسو لکھتا ہے :

> "یونان کے اکثر شہروں کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ اپنے قوانین باہر سے وضع کراتے تھے اطالیہ کی جدید جمہوریتیں بھی اکثر یہی کرتی تھیں اور اس میں اسے اپنی بھلائی معلوم ہوتی تھی۔"
>
> (معاہدہ عمرانی ص ۹۲)

حاصل کلام یہ کہ جمہوریت ہو یا بادشاہت ہر جگہ قانون کی حکومت ہوتی ہے، فرق صرف یہ ہے، کہ جمہوریت میں عوام کے چنے ہوئے لوگ قانون سازی کرتے ہیں اور بادشاہت میں بادشاہ کو قانون سازی کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ قانون ہر جگہ قانون ساز کی خواہشات کا ترجمان ہوتا ہے۔ اور قانون کی اطاعت قانون ساز ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔ عوام بادشاہ کے غلام ہوں یا قانون ساز ادارے کے ان کی غلامی ہر جگہ مسلّم ہے۔ ان کی حیثیت محکوم کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ لہذا یہ کہنا کہ جمہوریت قانون کی حکومت ہوتی ہے۔ اس لئے یہ بادشاہت وغیرہ قسم کی شخصی حکومتوں سے ممتاز اور مختلف ہوتی ہے محض دھوکہ ہے۔

کیا جمہوریت بہتر ہے؟ کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے اصل اور مقصد کے اعتبار سے حکومت

ایک بری چیز ہو، لیکن مختلف برائیوں میں بھی مدارج ہوتے ہیں، اور جب انسان کسی ایک نہ ایک برائی کے قبول کرنے پر مجبور ہو تو اسے کم تر درجے کی برائی کو قبول کرنا چاہیئے۔ حکومت کی مختلف اقسام میں جمہوریت ایک ایسی حکومت ہے جو نسبتاً کم بری ہے اس لئے ہمیں جمہوریت کو بامر مجبوری قبول کرلینا چاہیئے۔ اس سوال کا جواب دینے کے لئے ہمیں ایک بار پھر حکومت کے اغراض و مقاصد پر غور کرنا ہوگا۔ اس لئے کہ اگر ہمیں حکومت کے مان لینے کا مشورہ دیا جاتا ہے تو وہ صرف ان مقاصد کے لئے ہے جن کی تکمیل کا ذریعہ حکومت ہے ورنہ حکومت بذات خود تو کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ماننے یا نہ ماننے کا سوال پیدا ہو۔

چلیں ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ جن مقاصد کے حصول کے لئے ہمیں حکومت کو قبول کر لینے کا مشورہ دیا جاتا ہے، وہ مقاصد برے نہیں، یا اگر برے ہیں تو ایسے ہیں کہ ہم انہیں چھوڑ نہیں سکتے۔ اور وہ مقاصد یہی ہو سکتے ہیں کہ ملک کے اندر امن و امان کی فضا قائم رہے۔ لوگ اطمینان کے ساتھ اپنے اپنے کاروبار میں مشغول رہیں۔ درسگاہوں، ہسپتالوں اور شاہراہوں کا بندوبست ہو، سرحدوں کی حفاظت کی جائے تاکہ غیر ملکی دشمن ہمارے اندرون ملک کے امن کو تباہ نہ کر سکیں وغیرہ۔

آیئے اب جائزہ لیں کہ جمہوری حکومت ان مقاصد کے حصول میں کس حد تک کامیاب ہے۔

روسو لکھتا ہے:

"اس پر مستزاد یہ ہے کہ حکومت عوام یا جمہوری حکومت سے زیادہ کوئی حکومت خانہ جنگیوں یا اندرونی کشمکش کے خطرے میں مبتلا نہیں ہوتی۔"

آگے چل کر لکھتا ہے:

"اگر دیوتاؤں کی کوئی قوم ہوتی تو اسکی حکومت جمہوری ہوتی، مگر بنی آدم کے لئے ایسی کامل حکومت موزوں نہیں۔"

روسو جمہوری حکومت کی ناکامی کے اسباب یوں بیان کرتا ہے:

"پھر یہ بھی یقینی ہے کہ ایک کام جس قدر زیادہ آدمیوں کے سپرد کیا جائے گا، اسی اعتبار سے اس کی انجام دہی میں زیادہ خلل واقع ہوگا۔"

روسو کا ایک اور جملہ ملاحظہ فرمائیں، کہتا ہے:

"حکام جس قدر کثیر تعداد میں ہوں گے حکومت اتنی ہی کمزور ہوگی۔"

یہ ہے بیان روسو کا جمہوریت کے بارے میں جو جمہوریت پرستاروں میں شمار ہوتا ہے اور جمہوریت پسند

اسکی کتاب "معاہدہ عمرانی" کو جس سے یہ عبارتیں نقل کی گئی ہیں انجیل کا درجہ دیتے ہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت کا یہ دعویٰ کہ یہ عوام کی حکومت ہے اور عوام ہی کی خاطر ہے، سراسر غلط ہے۔ کوئی حکومت نہ عوام کے فائدے کے لئے ہوتی ہے۔ اور نہ ہی عوام اس کے چلانے میں شریک ہوتے ہیں، حکومت ہمیشہ ایک طبقہ کی آقائیت اور خواجگی ہوتی ہے۔ اس طبقے کے چند افراد حکومت کے بااختیار افسر ہوتے ہیں۔ یہ اپنی مرضی سے قانون بناتے اور اسے عوام پر مسلط کرتے ہیں۔ البتہ دعویٰ یہی کیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ عوام کے مفاد اور ان کی بہتری کے لئے کیا جارہا ہے۔ اور اس زبانی دعوئی میں بادشاہت اور جمہوریت میں کوئی فرق نہیں۔
یہ کہنا ہے کہ جمہوریت میں قانون ساز ادارے کے ارکین کو عوام منتخب کرتے ہیں غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح بادشاہت میں ایک شخص مکرو فریب سے عوام پر مسلط ہو جاتا ہے۔ اور عوام اسکی بادشاہت قبول کر لیتے ہیں۔ اسی طرح انتخابات کے وقت حلقہ انتخاب میں ایک آدھ آدمی دوسروں پر مسلط ہو جاتا ہے اور عوام اس کو اپنا نمائندہ بنا لیتے ہیں۔ عوام کیا دنیا میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جو اپنی آزادی سے دست بردار ہونا پسند کرے۔ لیکن جب ہم کسی کو اپنے اوپر حکومت کرنے کیلئے مقرر کرتے، چنتے یا نامزد کرتے ہیں تو ہم عملی طور پر اس شخص کے حق میں اپنی آزادی سے دست برداری کا اعلان کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کام ہم اپنی مرضی سے نہیں کرتے۔

غیر مطبوعہ خطوط

تبرکات ونوادر

از

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی
مظاہر العلوم سہارنپور (انڈیا)

بنام

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ العالی
دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

محترم ومکرم مدفیوضکم۔ بعد سلام مسنون اسوقت گرامی نامہ موجب مسرت ہوا۔ مژدۂ صحت اور مدرسہ کے احوال سے مسرت ہوئی حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل وکرم سے مدرسہ کو زیادہ سے زیادہ ترقیات عطا فرماوے اور کارکنوں میں زیادہ سے زیادہ اخلاص عطا فرماوے۔ یہ صحیح ہے کہ لامع الدراری جلد اوّل کتاب الجمعہ تک گذشتہ سال شائع ہوئی تھی۔ پاکستانی احباب کی فرمائشیں بھی کثرت سے آئیں۔ مگر وہاں کتاب کے بھیجنے کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لئے کہ اگر قیمت وہاں کسی جگہ جمع بھی کرائی جائے تو اس کے منگانے کی بھی کوئی صورت نہیں۔ اس لئے اسکی دو صورتیں میں طالبین کو لکھتا رہتا ہوں۔ آسان تو یہ ہے کہ کوئی جانے والا وہاں سے آتے۔ تو اس سے فرما دیا جاوے۔ کہ وہ یہاں سے خرید کر اپنے ساتھ لیتا جائے۔ عموماً ایسا ہی ہو رہا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کتب خانہ رشیدیہ متصل جامع مسجد دہلی کو فرمائش لکھی جائے۔ ان کو چونکہ پاکستانی کتابیں بھیجنے کا پرمٹ ملا ہوا ہے، وہ آسانی سے بھیج سکتے ہیں۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ کی بخاری کی تقریر کا ابتدائی حصہ سنا ہے۔ کہ دیوبند میں مولوی عبدالجلیل صاحب مدرس مدرسہ کے صاحبزادہ نے شائع کیا ہے۔ جو کتاب الایمان کے ختم تک ہے۔ وہ بھی غالباً رشیدیہ کے ذریعہ سے منگایا جاسکتا ہے۔ لامع تو کتب خانہ رشیدیہ میں موجود ہے۔ اظہار الحق اور ازالۂ اوہام یہاں تو کسی کے یہاں نہیں ہے۔ شاید دہلی کے کسی کتب خانہ میں مل جاوے۔ اس کا حال بھی رشیدیہ سے معلوم ہو جائے گا۔ آپ ان کو اس ناکارہ کے حوالہ سے تحریر فرمادیں گے تو وہ انشاء اللہ زیادہ اہتمام کریں گے۔ فقط والسلام

مورخہ ۱۲/۱۲/۹

مکرم ومحترم مدفیوضکم بعد سلام مسنون اسی وقت گرامی نامہ پہنچا مولانا عبد الحفیظ صاحب[1] کے حادثہ انتقال پر یقیناً بھی غم ہو برمحل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرحوم میں بہت خوبیاں رکھی تھی۔ اور ہمارے مدرسہ کے لئے تو مرحوم کا وجود بہت ہی اہم اور ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرماکر اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل اجر جزیل عطا فرماوے اور ان کے بچوں کی تربیت کا بہترین نظم فرماوے۔ ان کے اہل وعیال سہارنپور ہی میں ہے۔ مدرسہ کے قریب ہی مکان ہے۔ آپ کا گرامی نامہ ان کے یہاں بھیج رہا ہوں۔ یہ ناکارہ آپ کے لئے بھی دل سے دعا کرتا ہے اللہ جل شانہٗ دارین کی ترقیات سے نوازے اور اس ناکارہ کو بھی دعوات صالحہ میں یاد فرماویں۔

فقط والسلام۔ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ

جناب مولوی سمیع الحق صاحب[2]

سلام مسنون! اس وقت آپ کا لفافہ جس پر صرف ۵۵ پیسے کے ٹکٹ لگے تھے۔ آپ کی کرامت ہی سے پہنچ گیا۔ اس ناکارہ کو یہاں خط لکھنا بہت مشکل ہے اس لئے اپنے سب اعزاء واقارب کو منع کرایا تھا کہ یہاں مجھے کوئی خط نہ لکھیں۔ چنانچہ سوا مہینے کے قریب ہوگیا۔ گھر والوں میں سے کسی کا خط نہ آیا۔ لیکن اجنبی دوستوں کے خطوط کثرت سے آتے ہیں، جن کا جواب بہت مشکل ہے۔ یہ ناکارہ آپ کے لئے آپ کے والد صاحب کے لئے آپ کے اہل وعیال کے لئے دل سے دعاگو ہے۔ اللہ جل شانہٗ مکارہ سے محفوظ فرماکر دارین کی ترقیات سے نوازے اور ابھی مسجد نبوی میں حاضر ہورہا ہے۔ انشاء اللہ آپ سب کیطرف سے صلوٰۃ وسلام عرض کر دوں گا۔ دارالعلوم اور ماہنامہ الحق کے لئے بھی دعاگو ہوں۔ اللہ جل شانہٗ اس کو ہر نوع کی ترقیات سے نوازے۔ مکارہ سے محفوظ فرماوے۔ آئندہ خط تحریر نہ فرماویں۔ دوستوں سے بھی کہدیں کہ بندہ کو یہاں ڈاک کا وقت بالکل نہیں ملتا۔ فقط والسلام۔ ۸ رجون ۱۹۶۹ء

---

[1] مولانا عبد الحفیظ صاحب دیر کے موضع اوچ کے باشندہ تھے اور وفات تک مظاہر العلوم سہارنپور میں تدریس کی اہم خدمات انجام دیتے رہے۔

[2] یہ خط احقر کے نام مدینہ طیبہ سے لکھا گیا ہے۔ عریضہ میں دعا کی درخواست کی گئی تھی۔ "س"

مکرم محترم مدفیوضکم بعد سلام مسنون ۔ گرامی نامہ موجب منت ہوا ۔ مژدۂ عافیت سے مسرت ہوئی ۔ اس سیاہ کار کے متعلق جو کچھ آپ نے اپنے حسن ظن سے لکھا ۔ اللہ جل شانہٗ اس کو سچا فرما دے ۔ حجازی احباب کے اصرار پر کہ وہ یہاں کی طباعت کو پسند نہیں کرتے ۔ گذشتہ سال مکہ مکرمہ کے قیام میں اوجز[1] اور لامع[2] کے مقدمہ کو ٹائپ پر طبع کرانے کی وہاں تجویز ہوئی تھی مگر وہاں نظام نہ بن سکا ۔ علی میاں[3] بھی چونکہ اس ناکارہ کے ساتھ وہاں تھے ۔ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ لکھنؤ جاکر میں ان دونوں کو ٹائپ پر طبع کرا دونگا ۔ میں نے وہیں سے ہر دو مقدموں کی چند کاپیاں لکھنؤ بھجوا دی تھیں ۔ جنکو علی میاں اپنی تمہید کے ساتھ اللہ ان کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرما دے ۔ ندوہ کی ٹائپ میں طبع کرایا ۔ مقدمۂ اوجز تو ایک ماہ ہوا ، بلکہ اس سے بھی زائد طبع ہو چکا تھا ۔ مقدمہ لامع زیر طبع ہے میں نے ان سے بھی عرض کر دیا تھا کہ پاکستان ، حجاز ، کویت اور ممالک عربیہ میں جہاں جہاں آپ ہدایا بھیجنا چاہیں ضرور بھیجدیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ کہاں کہاں حدیث پاک کے اسباق ہوتے ہیں ۔ مجھے جو فہرست انہوں نے بھیجی ، ان میں گیارہ نسخے آپ کی خدمت میں بھیجنا لکھا ہے کہ یہاں سے بذریعہ ڈاک جانا ممنوع ہے ۔ اور علیحدہ علیحدہ ہر شخص کے لئے قاصد کا ملنا بھی مشکل ہے ۔ مگر ایک غلطی ان کے مینجر صاحب سے یہ ہوئی کہ کتابوں پر المرسل کا نام لکھنے سے رہ گیا ۔ چونکہ اس ناکارہ کا نام کتاب پر طبع شدہ ہے ۔ اس لئے مرسل الیہم کی رسیدیں اس ناکارہ کے پاس آرہی ہیں ۔ کہ جناب کے توسط سے کتاب پہنچی ۔ مفتی شفیع صاحب ، مولوی عبدالرشید صاحب نعمانی ، مولانا ظفر احمد صاحب وغیرہ حضرات کیطرف سے رسائد اس ناکارہ کے پاس پہنچیں ۔ اتفاق سے علی میاں بھی جمعہ کی صبح یہاں آئے ہوئے تھے ۔ یہ سب رسیدیں ان کے حوالہ کر دیں ۔ اور آپ کا یہ گرامی نامہ بھی جو اس ناکارہ کے نام آیا آج ہی بذریعہ ڈاک لکھنؤ بھیج رہا ہوں ۔ لفافہ پر پتہ اگرچہ اس ناکارہ کا ہے ، مگر خط کا مضمون بظاہر علی میاں کے نام ہے ۔ اس لئے کہ اس میں لکھا ہے کہ آنمحترم کی وساطت سے شیخ الحدیث کی کتاب مقدمہ اوجز پہنچی ، آپ نے اس گرامی نامہ میں لکھا ہے کہ ایک نسخہ بندہ کے نام اور تین دیگر حضرات

---

[1] موطا امام مالک کی شرح اوجز المسالک [2] لامع الدراری شرح صحیح البخاری ہر دو کتابیں کئی کئی جلدوں میں شائع ہو چکی ہیں ۔ اور حضرت علامہ مدظلہٗ کے تبحر علمی ، فقاہت اور مہارت فن حدیث وسعت مطالعہ اور ژرف نگاری کے شاہکار ہیں ۔

[3] حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی لکھنؤ ۔

کے نام پہنچے۔ ان تین کی رسید تو پہنچ گئی۔ جیساکہ میں نے اوپر لکھا۔ یہ معلوم نہیں ہوا کہ بقیہ نسخے کہاں بھیجے گئے۔ انہوں نے گیارہ ناموں کی فہرست لکھی تھی۔ دوسرے کارڈ پر ملاحظہ فرمادیں۔ والسلام۔

دوسرا کارڈ

مکرم محترم مدفیوضکم بعد سلام مسنون۔ آپ کے خط کے جواب میں ایک کارڈ لکھنا شروع کیا تھا، خیال تو مختصر تھا۔ مگر اس کا اندازہ نہ ہوا کہ ایک کارڈ پر پورا نہ ہو سکے گا۔ شروع میں تو خیال اتنا ہی تھا۔ کہ آپ کے خط کے مخاطب علی میاں تھے۔ میں نے ان کو بھیجدیا۔ لیکن شروع کرنے کے بعد خیال ہوا کہ معلوم نہیں کہ وہاں سے جواب میں کتنی تاخیر ہو اور آپ کو تشویش رہے۔ اس لئے عرض ہے کہ یہ تو اب تک نہ مجھے معلوم ہوا۔ اور نہ علی میاں کو کہ آپ کے پاس کتنے نسخے پہنچے اور کس ذریعہ سے بکھنؤ سے مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ گیارہ نسخے آپ کی خدمت میں بھیجے گئے ہیں جن میں سے ایک آپکا اور تین وہ جن کے نام پہلے کارڈ میں لکھے گئے ہیں۔ مولوی عبدالرشید نعمانی، مولانا ظفر احمد صاحب، مفتی محمد شفیع صاحب، ان کی رسیدیں آگئی ہیں۔ ان کے علاوہ سات نام حسب ذیل ہیں۔ ۱۔ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری۔ ۲۔ مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی۔ ۳۔ مولانا خیر محمد صاحب۔ ۴۔ مولانا مفتی عبداللہ صاحب ملتانی۔ ۵۔ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی۔ ۶۔ مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی۔ ۷۔ مولوی عبدالجلیل صاحب سرگودھا۔ مجھے تو یہ معلوم ہوا تھا کہ کتابوں پر ان سب کے نام لکھدیئے گئے ہیں۔ آپ نے اپنے گرامی نامہ میں لکھا کہ چار نسخے مقدمہ اوجز کے پہنچے مگر کوئی خط نہ ملا۔ خط آنے پر تین نسخے ان حضرات کی خدمت میں بھیجدیئے جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس چار ہی پہنچے۔ بقیہ کا حال معلوم نہیں۔ کہ کس کے پاس گئے۔ اور ان تینوں کی رسید براہ راست میرے پاس پہنچ گئی۔ جو آپ کے توسط سے گئے۔ اگر جناب کے علم میں یہ ہو کہ بقیہ سات نسخے کہاں پہنچے اور یہ چار جو آپ کی خدمت میں پہنچے، کس ذریعہ سے پہنچے، تو بقیہ کا اندازہ ہو جائے گا۔ چونکہ آپ کا گرامی نامہ علی میاں کی روانگی کے بعد پہنچا تھا۔ اس لئے آج کی ڈاک سے علی میاں کے پاس بھیج رہا ہوں۔ اور وہ کچھ آپکو تحریر فرمانا چاہیں گے تو براہ راست لکھیں گے۔ فقط والسلام ۔ ۷ر جولائی ۱۹۷۰ء

مکرم محترم مدفیوضکم بعد سلام مسنون! اسی وقت گرامی نامہ پہنچ کر موجب مسرت ہوا۔ آپکی علالت[۱] کی خبر

---

[۱] ذیابیطس اور اس سے متعلقہ بیماریوں میں اضافہ ہوا تھا، بینائی بہت متاثر ہونے لگی تو پشاور میں ایک آنکھ کا اپریشن کیا گیا مگر خاص افاقہ نہ ہوا۔ گرامی نامہ میں اسطرف اشارہ ہے۔ (ص)

سے بہت ہی رنج و فکر و قلق ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمادے۔ اس سے اور بھی زیادہ قلق ہوا، کہ آنکھ کا اپریشن کامیاب نہ ہوسکا۔ اس سلسلہ میں یہ ناکارہ بھی قریب قریب آپ کے ساتھ ہی ہے۔ ۱۳ر مارچ کو آنکھ کا اپریشن ہوا تھا۔ مگر ابھی تک آنکھ میں صفائی اب تک بھی نہیں آئی۔ کتابوں کے متعلق اس ناکارہ کو تفاصیل معلوم نہیں۔ میں نے علی میاں سے درخواست کی تھی کہ پاکستان کے اکابر حدیث کو جن کا حال علی میاں کو مجھ سے زیادہ معلوم ہے۔ مقدمہ اوجز کے نسخے بھیج دیئے جائیں۔ ان کا جواب آیا کہ ۱۱ نسخے وہاں کے اکابر محدثین کو بھیج دئے گئے ہیں۔ یہ پتہ نہیں مجھے کہ کس ذریعہ سے بھیجے گئے۔ اتنا معلوم ہے کہ جناب کا اسم گرامی بھی اس میں تھا۔ اور چار نسخوں کی رسید جن میں ایک جناب کی بھی تھی، مجھے پہنچ گئی تھی۔ جس کی اطلاع علی میاں کو بھی کر دی گئی تھی۔ جناب کا پہلا گرامی نامہ بھی میں نے علی میاں کی خدمت میں بھیج دیا تھا۔ اور یہ بھی بھیج رہا ہوں۔ اور تقاضا کر رہا ہوں، کہ آپ سے خط کا جلد جواب لکھوادئیے۔ معلوم نہیں جناب کے پہلے گرامی نامہ کا جواب علی میاں کی طرف سے پہنچا یا نہیں۔ میں نے تو اسی دن لکھوا دیا تھا۔ آخر میں پھر جناب کیلئے مکرر دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و قوۃ عطا فرمادے۔ خاص طور سے آنکھوں کی بینائی کے لئے دعا کرتا ہوں۔ کہ حدیث پاک کا مشغلہ جاری و ساری رہے۔ فقط والسلام۔ ۲۴ر جولائی ۱۹۷۰ء

تعارف و تبصرہ
کُتب

الصحیح المسلم (انگریزی ترجمہ مع تشریحی حواشی) جلد اوّل مؤلف: ابوالحسین عساکرالدین مسلم بن حجاج القشیری نیشاپوری ـــ ترجمہ و تشریح: عبدالحمید صدیقی ـــ شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور ـــ صفحات: ۳۸۴ ـــ تقطیع کلاں ـــ قیمت: ۵۵/ روپیہ ـــ طباعت وکتابت مجلد: نفیس۔

قرآن کریم کی تفہیم کے لئے احادیث نبوی کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ قرآن کریم کے کئی تراجم اپنوں اور غیروں کی کوششوں سے منظر عام پر آچکے ہیں، مگر احادیث کی طرف چنداں توجہ نہیں دی گئی۔ بعض غیر مسلم مستشرقین نے تراجم کا سلسلہ شروع کیا۔ مثلاً ڈاکٹر جیمس رابسن (Dr. JAMES ROBSON) نے مشکوٰۃ المصابیح کو انگریزی کے قالب میں ڈھالا۔ مگر ایسے مترجمین کی عربی زبان وادب سے ناواقفیت اور قرآن وسنت کے مطالعہ کی کمی نیز اپنے مخصوص مقاصد کی بنا پر ان کے تراجم اعتماد کے لائق نہیں۔

صحیح مُسلم کا شمار احادیث کی ان چھ کتابوں میں ہوتا ہے جو مستند ترین سمجھی جاتی ہیں ان میں سے صرف صحیح بخاری کا ترجمہ نومسلم علامہ محمد اسد نے شروع کیا تھا۔ مگر اُسے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ عصر حاضر کی شدید ضرورت ہے کہ احادیث نبوی کے مستند مجموعے خصوصاً صحاح ستہ کو انگریزی اور دوسری زبانوں میں ڈھالا جائے، تاکہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے غیر مسلم دنیا اور انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ ان سے خاطر خواہ استفادہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ عبدالحمید صدیقی صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس نیک کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور ان کی محنت ہمارے سامنے ہے۔ موصوف انگریزی اور اردو کی متعدد کتابوں کے مصنف اور صاحب نظر عالم ہیں۔ عربی اور انگریزی دونوں زبانوں پر یکساں عبور رکھتے ہیں ـــ زیر نظر جلد اوّل۔ کتاب الایمان، کتاب الطہارت، کتاب الحیض اور کتاب الصلوٰۃ کی ۱۰۵۴ احادیث کے ترجمہ اور تشریحی حواشی پر مشتمل ہے۔ مترجم نے تشریحی حواشی لکھنے میں محدثین کرام کی مستند شروح سے استفادہ کیا ہے۔ اور رجال کے سوانحی حالات کے لئے تہذیب التہذیب (ابن حجر عسقلانی)

کتاب الطبقات الکبریٰ (محمد بن سعد)، تذکرۃ الحفاظ اور میزان الاعتدال (ذہبی) جیسی کتابوں سے اخذ واقتباس کیا گیا ہے۔ حواشی کے بارے میں مترجم لکھتے ہیں:

"جہاں تک ممکن ہے میں نے حواشی میں کلامی مسائل سے اجتناب برتا ہے اور ممتاز محدثین کرام کی شرح کی روشنی میں حدیث کا مطلب بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے الفاظ اور مفہوم دونوں میں ان کی پیروی کی بھرپور کوشش کی، کیونکہ میرا یقین ہے کہ وہی حضرات اس موضوع پر سند سے گفتگو کے اہل ہیں۔"

احادیث کے راویوں کے اسماء حذف کر دیئے گئے ہیں۔ صرف صحابیؓ کے نام سے روایت لی گئی ہے۔ اگرچہ جدید تعلیم یافتہ کے لئے یہ موزوں ہے مگر اس جیسے مستند ترجمے کے لئے ضروری تھا کہ جملہ راویوں کا ذکر کر دیا جاتا۔

دیلِ سحر۔ (از شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب۔ ایم۔ این۔ اے) ناشر: عزیز پبلی کیشنز ۵۱ میکلوڈ روڈ لاہور۔ صفحات ۴۸۔ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے صرف۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ ایم۔ این۔ اے (اکوڑہ خٹک) دینی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ حال ہی میں سیاست کے خارزار میں انکے تفقہ فی الدین اور اسلام پر کامل ایمان اور پختہ یقین نے خدمت دین کے ایسے گلہائے رنگین کھلائے ہیں جن کی نکہت سے پورا وطن مہلک اٹھا ہے۔ "دیلِ سحر" ان ہی گلہائے رنگین کا گلدستہ ہے۔

مولانا موصوف جمعیت علمائے اسلام کے سرکردہ راہنماؤں میں سے ہیں اور اپنے مزاج کی بناء پر نہ صرف حزب اختلاف کی صفوں میں یکساں طور پر قابل احترام بلکہ حزب اقتدار کی کرسیوں پر بیٹھنے والے بھی ان کی سنجیدگی اور علمیت سے متاثر ہیں۔ مولانا موصوف کی تقاریر نے کئی غلط فہمیاں دور کی ہیں اور غور و فکر کے نئے گوشے سامنے آتے ہیں۔

علماء کے جزوی اور فروعی اختلافات کو پاکستان کے متجددین سے یکر کینٹول سمتھ (CANTWELL SMITH) اپنے مخصوص مقاصد کے لئے اچھالتے ہیں۔ اور یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ علماء مسلمان کی کسی متفقہ تعریف پر اتفاق نہیں کر سکتے۔ موجودہ اسمبلی میں مولانا عبدالحق مدظلہ العالی نے جملہ مکاتب فکر کیطرف سے متفقہ تعریف مسلم پیش کر کے متجددین کے غبارے سے ہوا نکال دی ہے۔

"دیلِ سحر" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمبلی میں مولانا موصوف کی جملہ کوششیں اسلامی نظام کے نفاذ کے گرد گھومتی ہیں۔ معاہدہ شملہ پر تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہم نے قیام پاکستان کے وقت ایک عہد اور معاہدہ کیا اور اللہ رسول کے ساتھ ایک

میثاق ہوا کہ ہم ایک خدا، رسول اور اسلام کا نظام مکمل طور پر نافذ کریں گے۔ اس لئے اس میثاق (ملحد) کی توثیق کے ساتھ اس میثاق کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ آئندہ جو آئین بن رہا ہے، وہ اسلامی ہو۔ عہد کی تجدید و توثیق ہوگی تو ہم کامیاب ہوں گے۔"

مستقل دستور میں مملکت کا نام زیر بحث آیا تو ایک رکن اسمبلی (ملک محمد جعفر۔ پیپلز پارٹی) نے یہ کہہ کر بحث کا دروازہ کھول دیا کہ مملکت کا سرکاری نام "اشتراکی جمہوریہ پاکستان" ہو۔ مولانا نے فرمایا:

"میں نہیں سمجھتا کہ ہم اسلام کے نام سے کیوں بھاگتے ہیں اور کیوں نفرت کرتے ہیں۔ جب کہ ہمارے تمام مسائل کا حل اسلام ہے۔"

مختصر یہ کہ مولانا موصوف کے خیالات "دلیل سحر" کے مصداق ہیں اور انشاء اللہ اسلامی نظام کی سحر طلوع ہوگی۔ ایک کمی کھٹکتی ہے اگر مولانا مدظلہ کی سوانح شاملِ کتاب ہوتی تو بہتر ہوتا۔

کتابچے کے آغاز میں جناب شمس القمر قاسمی کا دس صفحات پر مشتمل پیش لفظ ہے جسے مزید بہتر ہونا چاہئے تھا۔ میری رائے ہے کہ پاکستان کی سیاست میں دلچسپی رکھنے والے ہر فرد کو "دلیلِ سحر" کا مطالعہ کرنا چاہئے اور مولانا کے خیالاتِ عالیہ کو آویزۂ گوش بنانا چاہئے۔ ان اہم اشاعتی خدمات پر ناشر عزیز پبلی کیشنز لاہور مبارکباد کی مستحق ہے۔

ارمغانِ آزاد۔ (حصہ اوّل) | مرتب: ابوسلمان شاہجہانپوری۔ ناشر: مکتبہ الشاہد علی گڑھ کالونی کراچی۔ ۱۳۱۔ طباعت و کتابت عمدہ۔ مجلد مع دیدہ زیب گرد پوش۔ قیمت ساڑھے پانچ روپے۔

جناب ابوسلمان شاہجہانپوری کو مولانا آزادؒ اور ان کی دینی و علمی خدمات سے عشق کی حد تک لگاؤ ہے۔ انہوں نے مولانا آزاد کی متنوع شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر پہلے "امام الہندؒ" کے نام سے ایک کتاب مرتب کی پھر مولانا آزاد کے مکاتیب کا ایک قابلِ قدر مجموعہ مکاتیب ابوالکلام آزاد مرتب کیا اور اب مولانا مرحوم کے اردو و فارسی کلام اور ابتدائی مضامین نثر "ارمغانِ آزاد" کی صورت میں اہل علم کے حضور پیش کئے ہیں۔ مولانا آزاد کی شخصیت اور ان کے افکار و نظریات کے مطالعہ میں ان کی ابتدائی علمی کوششیں اکثر نظر انداز کر دی جاتی ہیں۔ ابوسلمان صاحب نے یہ کتاب مرتب کر کے اہل تحقیق پر احسان کیا ہے۔

کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اوّل میں مولانا آزاد کا اردو اور فارسی کلام درج ہے۔ مرتب مولانا کے کلام کی اہمیت پر لکھتے ہیں:

"مولانا آزاد کا کلام اس لئے موضوع مطالعہ نہیں ہونا چاہئے کہ یہ کوئی اعلیٰ درجے کا

کلام ہے بلکہ اس لئے کہ یہ اُن کے دس برس سے لیکر تیرہ چودہ برس کی عمر تک کی تک بندیوں کے نمونے ہیں۔ اور اس آئینے میں ہم ان کی اٹھان دیکھ سکتے ہیں۔ ان سے مولانا کے ابتدائی رجحانات، ان کے افکار کی تعمیر اور شخصیت کی نشو ونما کے بارے میں اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ پندرہ برس سے کم عمر کے "محی الدین احمد آزاد" نے تک بندیاں کیں مگر ان میں "ابوالکلام" کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

حصہ دوم میں مولانا آزاد کے بہار آفریں قلم کے وہ نمونے ہیں جو "الہلال" اور "البلاغ" کے دور سے پہلے لکھے گئے۔ ان مضامین میں مولانا کے مخصوص انداز تحریر کی ابتدائی صورت دیکھی جاسکتی ہے۔ عبارت کو عربی فارسی اشعار سے مزین کرنے اور آیات قرآنی، احادیث نبوی اور آثار صحابہ سے استدلال کرنے کا رجحان نمایاں ہے۔ انداز تحریر ہی نہیں علم وفکر کے لحاظ سے بھی یہ مضامین خاصے کی چیز ہیں۔ ان میں علمی وادبی مضامین بھی شامل ہیں۔ افسانہ اور طنز ومزاح کا نمونہ بھی ہے اور فقہی موضوعات بھی۔

حصہ نثر میں مولانا کا وہ تاریخی کتابچہ یعنی اعلان الحق بھی شامل ہے جو انہوں نے اپنے والد مولانا خیر الدین کی تائید اور بعض علمائے کلکتہ کی تردید میں لکھا اور والد مرحوم کے اس موقف کی تائید ہے۔ کہ ایک مقام پر رویت ہلال اور اس کی شہادت شرعی کے بعد جدید سائنسی ذرائع مثلاً ٹیلی فون، ریڈیو وغیرہ کے ذریعے اعلان سے دوسرے مقامات کے مسلمانوں پر قیام رمضان وعید لازم آجاتا ہے۔ یہ کتابچہ مولانا کی پہلی مستقل تصنیف ہے۔

مرتب کتاب ابوسلمان شاہجہانپوری نے کتاب کے ہر دو حصّوں کے آغاز میں مولانا آزاد کی شعر گوئی اور نثر نگاری کا بالترتیب تاریخی جائزہ پیش کیا ہے جس سے علم وتحقیق کے چند نئے زاویے سامنے آتے ہیں۔

کتاب کی اہمیت کے پیش نظر یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ اس کے بغیر مولانا آزاد کی شخصیت اور فن کا مطالعہ مکمل نہیں کہلا سکتا۔

فہرست نتائج فضلائے دارالعلوم حقانیہ بابت سال ۱۳۹۲ھ

مرتب کردہ : وفاق المدارس العربیہ پاکستان

نمبر شمار	اسمائے گرامی	نمبرات	درجہ	نمبر شمار	اسمائے گرامی	نمبرات	درجہ
۱	مولوی شمس الدین افغانی	۲۰۰	ناکام	۱۹	مولوی عبدالقہار مردانی	۳۰۷	وسطیٰ
۲	〃 صفوۃ اللہ بلوچستان	۲۷۰	ضمنی بخاری	۲۰	〃 عبدالباقی افغانی	۳۲۶	〃
۳	〃 عبدالحلیم ڈیروی	۳۰۸	وسطیٰ	۲۱	〃 عبدالحمید قندہاری	۲۷۲	ادنیٰ
۴	〃 عبدالحمید 〃	۲۷۵	ضمنی بخاری	۲۲	〃 عبدالمتین ہزاروی	۳۶۲	علیا
۵	〃 عزیز اللہ قندہاری	۲۳۲	ناکام	۲۳	〃 عبدالواسع 〃	۳۲۴	وسطیٰ
۶	〃 عبدالمنان بلوچستان	۳۶۱	علیا	۲۴	〃 عبدالقیوم سواتی	۲۳۵	ناکام
۷	〃 عبدالحی پشاوری	۳۳۵	وسطیٰ	۲۵	〃 محمد عنایت اللہ شاہ ڈیروی	۲۰۵	ادنیٰ
۸	〃 قاری عبدالحنان تلاّتی	۳۰۵	〃	۲۶	〃 عبدالستار افغانی	۳۳۷	وسطیٰ
۹	〃 عزیز الرحمان پشاوری	۳۷۴	علیا	۲۷	〃 عطاء اللہ ہزاروی	۳۴۶	〃
۱۰	〃 عبدالرشید 〃	۲۵۲	ضمنی بخاری	۲۸	〃 عبدالقدوس گلگتی	۳۶۱	علیا
۱۱	〃 عبدالوہاب ہزاروی	۲۸۸	〃	۲۹	〃 عبدالبصیر راولپنڈی	۲۵۹	ادنیٰ
۱۲	〃 عبدالغنی افغانی	۲۸۸	〃	۳۰	〃 عبدالقادر کوہاٹی	۳۰۵	وسطیٰ
۱۳	〃 عبدالرحمان 〃	۲۶۲	〃	۳۱	〃 عبدالرحمان وزیرستانی	۲۶۵	ضمنی بخاری
۱۴	〃 عبدالرؤف بنوی	۳۲۳	وسطیٰ	۳۲	〃 عزیز الحق مردانی	۲۶۹	ادنیٰ
۱۵	〃 عبدالکریم ڈیروی	۳۲۶	〃	۳۳	〃 عبدالقیوم ہزاروی	۳۰۶	ضمنی بخاری
۱۶	〃 عبداللہ افغانی	۳۱۷	ضمنی بخاری	۳۴	〃 عبدالواحد سواتی	۳۰۹	وسطیٰ
۱۷	〃 عبدالوحید ہزاروی	۳۹۰	علیا	۳۵	〃 عبدالرحمٰن بلوچستانی	۲۶۸	ضمنی بخاری
۱۸	〃 عبدالسلام کوہاٹی	۴۰۰	〃	۳۶	〃 عبدالحیّ بلوچستانی	۳۴۱	وسطیٰ

نمبر شمار	اسمائے گرامی	نمبرات	درجہ
۳۷	مولوی غلام سعید بنوی	۲۸۸	ادنیٰ
۳۸	" غلام محبوب سواتی	۳۹۶	علیا
۳۹	" غلام صدیق ڈیروی	۱۷۵	ناکام
۴۰	" غلام اللہ افغانی	۲۷۰	ادنیٰ
۴۱	" قاری فضل عظیم پشاوری	۲۵۸	ضمنی بخاری
۴۲	" فضل الرحمٰن ڈیروی	۲۴۶	ادنیٰ
۴۳	" فیگل بلوچستانی	۳۳۸	وسطیٰ
۴۴	" فضل مولا ہزاروی	۳۶۱	علیا
۴۵	" قریب اللہ ڈیروی	۲۳۵	ناکام
۴۶	" محمد حسن بلوچستانی	۱۲۷	"
۴۷	" قدرت شاہ مردانی	۲۸۵	ادنیٰ
۴۸	" گلا نور کوہاٹی	۳۸۴	علیا
۴۹	" گل محمد افغانی	۲۷۱	ضمنی بخاری
۵۰	" گلاب نور ڈیروی	۳۴۳	وسطیٰ
۵۱	" گل شیر پشاوری	۲۹۵	ادنیٰ
۵۲	" لطف الرحمان "	۳۶۱	علیا
۵۳	" محمد کریم کوہاٹی	۲۷۰	ضمنی بخاری
۵۴	" محمد شاہ مردانی	۳۱۸	وسطیٰ
۵۵	" محمد خان بلوچستانی	۴۱۳	علیا
۵۶	" مقدر سواتی	۳۱۵	وسطیٰ
۵۷	" محمد اکبر مردانی	۲۴۲	ادنیٰ
۵۸	" مثل خان بنوی	۲۴۹	ضمنی ترمذی
۵۹	" محمد علی بلوچستانی	۳۱۹	ضمنی بخاری
۶۰	" محمد منصور خان وزیرستانی	۲۵۲	علیا
۶۱	مولوی محمد محسن ڈیروی	۲۵۴	وسطیٰ
۶۲	" محمد اسمٰعیل افغانی	۱۵۸	ادنیٰ
۶۳	" محمد حنیف ڈیروی	۳۲۳	وسطیٰ
۶۴	" محمود الحسن پشاوری	۲۹۰	ادنیٰ
۶۵	" محمد اسمٰعیل مردانی	۳۲۶	وسطیٰ
۶۶	" محمد شاہ بلوچستانی	۳۵۵	"
۶۷	" محمد ایوب افغانی	۲۷۰	ضمنی ترمذی
۶۸	" مرزا گل باجوڑی	۲۰۷	ناکام
۶۹	" محمد شیر خان ڈیروی	۲۴۵	ادنیٰ
۷۰	" محمد اسحاق سواتی	۳۸۲	علیا
۷۱	" محمد یوسف "	۳۶۲	"
۷۲	" محمد وزیر افغانی	۲۹۸	ادنیٰ
۷۳	" محمد عتیق مردانی	۳۰۹	وسطیٰ
۷۴	" محمد عمر بلوچستانی	۳۴۷	"
۷۵	" محی الدین قندھاری	۲۷۴	ضمنی بخاری
۷۶	" محمد نواز ڈیروی	۳۰۳	وسطیٰ
۷۷	" محمد نعیم کوہستانی	۲۴۴	ادنیٰ
۷۸	" محمد حنیف کوہاٹی	۲۵۰	"
۷۹	" نور الحق ڈیروی	۲۷۸	"
۸۰	" نادر شاہ کوہستانی	۲۹۹	"
۸۱	" نیک محمد بلوچستانی	۳۰۲	وسطیٰ
۸۲	" نصر اللہ "	۳۴۴	"
۸۳	" نقیب اللہ "	۲۹۵	ادنیٰ
۸۴	" نور الحق "	۳۰۰	وسطیٰ

نمبر شمار	اسمائے گرامی	نمبرات	درجہ	نمبر شمار	اسمائے گرامی	نمبرات	درجہ
۸۵	مولوی نخبۃ اللہ بلوچستانی	۳۷۵	علیا	۱۰۹	مولوی جمال الدین پشاوری	۳۱۴	وسطیٰ
۸۶	〃 نادر شاہ 〃	۱۶۵	ناکام	۱۱۰	〃 جمشید سواتی	۳۰۵	〃
۸۷	〃 ولی محمد 〃	۲۶۰	ضمنی بخاری	۱۱۱	〃 جہاں زیب ہزاروی	۲۴۰	ضمنی بخاری
۸۸	〃 ودان شاہ مروانی	۲۶۳	ادنیٰ	۱۱۲	〃 جاوید محمد مروانی	۲۶۶	ادنیٰ
۸۹	〃 سید ولی محمد بلوچستانی	۳۴۳	وسطیٰ	۱۱۳	〃 حبیب الرحمٰن دیروی	۲۸۲	〃
۹۰	〃 نصیر الدین سواتی	۳۴۴	〃	۱۱۴	〃 حمید خان کوہاٹی	۳۱۵	وسطیٰ
۹۱	〃 محمد ایوب مروانی	۲۷۳	ادنیٰ	۱۱۵	〃 حسن اصغر 〃	۳۴۹	〃
۹۲	〃 غلام سرور دیروی	۲۶۵	ضمنی بخاری	۱۱۶	〃 حبیب الرحمٰن افغانی	۳۴۳	ضمنی بخاری
۹۳	〃 محمد کلام وزیری	۳۳۷	وسطیٰ	۱۱۷	〃 حضرت عالم ہزاروی	۳۷۶	علیا
۹۴	〃 سعید اللہ دیروی	۳۶۹	علیا	۱۱۸	〃 حبیب الرحمٰن بلوچی	۳۶۶	〃
۹۵	〃 قاضی الرحمٰن دیروی	۲۶۸	ادنیٰ	۱۱۹	〃 خانم اللہ دیروی	۲۵۲	ادنیٰ
۹۶	〃 حمید اللہ جان	۲۴۸	〃	۱۲۰	〃 دعوت اللہ کوہاٹی	۲۷۵	〃
۹۷	〃 احمد زئی افغانی	۲۶۳	〃	۱۲۱	〃 روزی خان بلوچستانی	۱۸۲	〃
۹۸	〃 احمد شاہ 〃	۲۴۰	ضمنی بخاری	۱۲۲	〃 رعایت اللہ مروانی	۲۹۵	ادنیٰ
۹۹	〃 امین الحق 〃	۳۵۳	وسطیٰ	۱۲۳	〃 رحیم گل باجوڑی	۳۴۲	وسطیٰ
۱۰۰	〃 ابن یامین 〃	۴۰۲	علیا	۱۲۴	〃 رحمان اللہ بنوی	۳۶۷	علیا
۱۰۱	〃 احسان الحق 〃	۲۶۱	ضمنی بخاری	۱۲۵	〃 روح الامین ہزاروی	۲۶۲	ادنیٰ
۱۰۲	〃 امان اللہ مہمندی	۳۱۲	وسطیٰ	۱۲۶	〃 سید کبیر افغانی	۲۴۸	ضمنی بخاری
۱۰۳	مولوی احمد ہزاروی	۲۴۰	ادنیٰ	۱۲۷	〃 سراج الدین سواتی	۲۷۰	ادنیٰ
۱۰۴	〃 سید ابراہیم شاہ ہراتی	۲۸۴	〃	۱۲۸	〃 سعید اللہ پشاوری	۲۵۲	ضمنی بخاری
۱۰۵	〃 بہرام خان بنوی	۳۴۴	وسطیٰ	۱۲۹	〃 سیف الرحمٰن 〃	۱۸۵	ناکام
۱۰۶	〃 بسم اللہ افغانی	۲۴۴	ضمنی بخاری	۱۳۰	〃 سیف اللہ بنوی	۴۱۰	علیا
۱۰۷	〃 تاجبر علی بنوی	۲۴۱	ادنیٰ	۱۳۱	〃 سلامت خان مہمندی	۲۴۷	ادنیٰ
۱۰۸	〃 ثناء اللہ پشاوری	۳۴۷	وسطیٰ	۱۳۲	〃 سیف الرحمٰن دیروی	۳۶۲	علیا

نمبر شمار	اسمائے گرامی	نمبرات	درجہ	نمبر شمار	اسمائے گرامی	نمبرات	درجہ
۱۳۳	مولوی سمیع اللہ ہزاروی	۳۰۶	وسطیٰ	۱۳۸	مولوی شجاع عالم ڈیروی	۳۶۰	علیا
۱۳۴	" احمد افغانی	۳۴۹	"	۱۳۹	" شاہ الدین خوستی	۳۷۴	"
۱۳۵	" سردار علی بنوی	۳۷۵	علیا	۱۴۰	" شمس الحق بونیری	۴۰۲	"
۱۳۶	" سید ملا محمد ڈیروی	۲۹۱	ادنیٰ	۱۴۱	" محمد شریف بن محمد صفدر خان	۶۲	
۱۳۷	" شیخ رسول مہمندی	۳۱۳	ضمنی بخاری				

القسم العربي — من اخبار دار العلوم الحقانية

سميع الحق

زيارة الوفد الصحفي السعودي دار العلوم الحقانية

يوم الاحد ٢٨ محرم الحرام لقد تشرفت دار العلوم الحقانية بورود الوفد الموقر للصحفيين من المملكة العربية السعودية اثناء جولة في باكستان بدعوة وزارة الاعلام الباكستاني ولما قدم الاضياف الكرام الى رحاب دار العلوم الحقانية استقبلهم الشيخ مولانا عبد الحق مدير دار العلوم وسائر الاساتذة والطلبة استقبالاً حافلاً بترحيبات حارة وهتافات عاطرة ودعوات من الطلبة عاش ملك الفيصل عاش رائد التضامن الاسلامي.

وبعد وصول الاضياف بمكتبة دار العلوم اقام معالي الشيخ عبد الحق مدير دار العلوم حفل الغداء تكريما للوفد الكريم وحضر حفل الغداء من كبار اساتذة دار العلوم وبعض اعضاء المدرسة واعيان الرجال وبعد ذلك عاين الضيوف شتى شعب دار العلوم وصفوف التدريس ومكتبة دار العلوم وسائر ابنية دار العلوم والمعهد الملحق بدار العلوم "تعليم القرآن" وادارة "الحق" وهناك قدم رئيس التحرير سميع الحق بعض مجلدات المجلة للزائرين الكرام والصحفيون الموفقون ابدوا عن غاية مسرتهم باصدار "الحق" واستطلعوا بمحتويات العدد الجديد وامور الادارة. ثم انعقدت بدار الحديث حفلة الترحيب وفي بداية الحفلة القى الاستاذ شير على شاه المدرس بدار العلوم خطابا قيما ابدى فيه مشاعر المسرة بقدوم الضيوف ونبذة من تاريخ دار العلوم وما هي اهدافها ثم قدم سميع الحق مدير مجلة الحق والاستاذ بدار العلوم كلمة الترحيب نيابة عن معالي المدير سمو الشيخ مولانا عبد الحق مد ظلهم وابدى فيه بالسرور البالغ بورود الوفد. اضياف البلاد الطاهرة واصحاب مجلاتها وجرائدها ثم اطيب التمنيات والدعوات لجلالة الملك فيصل المعظم رائد التضامن الاسلامي وجهوده في سبيل الدين وتنمية الاخوة

الاسلامية بين المسلمين ثمّ صرّح عن تاثر الهند من جزيرة العرب علماً ودينا و ثقافة خاصة في علوم الحديث ثم بيّن جهود علماء الهند ومساعيهم الشامخة قبل سلطة الانكليز وبعد السلطة كيف ضحّوا حياتهم في سبيل العلم والدين ومكانة المدارس الدينية بمحافظة الثقافة الاسلاميه وبعد توزيع الهند وباكستان كيف سدّ المدارس العربية الخلاء الديني والعلمي وفي ضمن ذلك عرّف دار العلوم الحقانية وخدماتها الدينية ومنزلتها العلمية وفي الختام صرّح بمشاعر طيبة للشعب الكريمة السعودية والمملكة الشقيقة وبعد تقديم كلمات الترحيب التي لبعض الضيوف كلماتهم الموجزة القيمة تكشف عن احاسيسهم النبيلة ومسرّاتهم بمعاينة المآثر الرائقة والمشاهد العلمية -

فقال الاستاذ زياد خوجه مسئول وزارة الاعلام السعودية بالرياض لقد سرّنا هذا اللقاء جدا وقد كنا نتطلع من مشاعركم نحو الدين بان اخواننا في البلد يرغبون في العلوم الدينية وهم يحاولون لاجل العلم الشدائد والمحن والقد اخذت صدورنا من هذه الزيارة الانطباعات الجميلة وسرّني وزملائي ان نرى هذه المنطقة البعيدة بان فيها اناس يسعون في سبيل الاسلام والدين الحنيف ونحن نشعر باننا في بلادنا ونشكركم شكراً جزيلا على مشاعركم الجميلة والتراحيب الحارة وان شاء الله سيكون لنا شرف وامانة وابلاغ جميع انطباعاتنا عن هذه المدرسة الى ارباب المملكة والشعب العربي واننا نشكركم شكراً جزيلاً ونتمنى لكم اطيب الاماني

وقال الاخ الاستاذ فائز حسين من جريدة يومية الندوة بمكة في خطابه صاحب الفضيلة مولانا الشيخ عبدالحق والاخوة الاجلاء انني باسم زملائي لانخجل بالترحيب الحار الذي لايليق بمثل مقامنا لاننا بين اخواننا ونحن لسنا بضيوف بل نحن وردنا في بلادنا وبين ظهراني اخواننا ....

وقال في خطابه واننا نشكركم جزيلا على ما ابديتمونا من الاحاسيس والعواطف الجياشة التي غمرتمونا بها ـــ ايها الاخوة اننا اخوة في الاسلام لانسعى الالمصالحة تجمعنا بجمعي وان جلالة الملك فيصل المعظم انما يهدف بجمع كلمة المسلمين وان هذه الدعوة قد لاقت ترحابا من كثير دول العالم الاسلامي وبالنسبة لهذه

هذه مستند وما يتعلق بالتحاق خريجها بالمملكة العربية السعودية والجامعة الاسلامية المدينة المنورة فاننا نعاهدكم اننا سننقل هذه المسائل الى المسئولين وسننظر في هذه الرغبات التي تودونها والسلام ۔

ومن كلمات الاضياف الكرام مما حرروا في كتاب الآراء لدار العلوم

" نحمد الله سبحانه وتعالى ان حقق لنا فرصة زيارة هذا المعهد العلمي لنطلع الى الجهود الخيرة الموفقة في سبيل نشر اللغة والدين ونشكر مكانة اخواننا المسئولين بالطلبة هذا الاستقبال الحافل الذي هز مشاعرنا ونسئله سبحانه وتعالى ان يحقق للجميع كل تقدم وتوفيق لخدمة ديننا الحنيف والسلام "

اسماء الزائرين :- ★ زياد خوجه وزارة الاعلام بالرياض

★ راشد الفهد الراشد جريدة الجزيرة الرياض

★ تركي السديري " الرياض "

★ احمد محمد " المدينة جده

★ فائز حسين " الندوة بمكة

سعودی عرب کے صحافی دار العلوم میں ۲۸ محرم کو مرکزی وزارت اطلاعات پاکستان کی دعوت پر پاکستان دورہ کرنے والے سعودی عرب کے صحافیوں نے دار العلوم میں قدم رنجہ فرمایا اور اساتذہ نے روایتی جوش و خروش سے استقبال کیا حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے معزز مہمانوں کے اعزاز میں پرتکلف دعوت دی جس میں دار العلوم کے اساتذہ اور طلبہ بھی شریک ہوئے اس کے بعد مہمانوں نے دار العلوم کے تمام تعلیمی اور تعمیری شعبوں کا معائنہ کیا لائبریری دیکھی مدرسہ تعلیم القرآن کا بھی معائنہ کیا اور کچھ دیر دفتر الحق میں بھی الحق کے ساتھ بڑی دلچسپی لی اور تازہ شمارہ کے مضامین کے بارہ میں ایڈیٹر سے معلومات حاصل کیں ایڈیٹر صاحب الحق نے پچھلے سالوں کی جلدیں بطور تحفہ تمام ارکان کو پیش کیں، دار الحدیث کی استقبالیہ مجلس میں مولانا شیر علی شاہ نے عربی میں فی البدیہہ تقریر کی اور دار العلوم کے احوال پر روشنی ڈالی اس کے بعد شیخ الحدیث مدظلہ کی طرف سے مولانا سمیع الحق نے ایک پرمغز معلوماتی سپاسنامہ پیش کیا جس میں عربوں کے عالم انسانیت بالخصوص برصغیر دینی علمی اور ثقافتی احسانات برصغیر میں علماء اور مدارس کے مساعی اور جد وجہد نیز جلالۃ الملک فیصل المعظم اور سعودی عوام سے محبت و وابستگی کا اظہار کیا گیا تھا۔ چند گھنٹے قیام کے بعد وفد کو جو جرائد الریاض ، المدینہ ، الندوۃ اور سعودی وزارت اطلاعات کے افراد پر مشتمل تھا، نہایت محبت سے الوداع کہا۔ تفصیلی کاروائی عربی میں شریک اشاعت ہے۔ ؎